کی ترقی درس و تدریس - طلباء کے والدین کی تربیت اور اخلاقی قدروں کا علمبردار ترقی ماہنامہ

پندرھویں صدی ھجری

رمضان المبارک ـــــ ۱۴۰۲ ہجری

مطابق

جولائی ـــــ سنہ ۱۹۸۲ء

اعزازی نگراں ـــــ مشکور علی صدیقی

چیف ایڈیٹر ـــــ ایم۔ اے۔ صدیقی

ایڈیٹر ـــــ ضیاء الرب خان

جلد ۱ ـــــ شمارہ ۷

قیمت ـــــ دو روپے

ششماہی ممبرشپ ـــــ دس روپے

نوٹ: خصوصی نمبر ممبران کے لئے مفت

پندرھویں صدی ماہنامہ مفت تقسیم کیا جاتا ہے

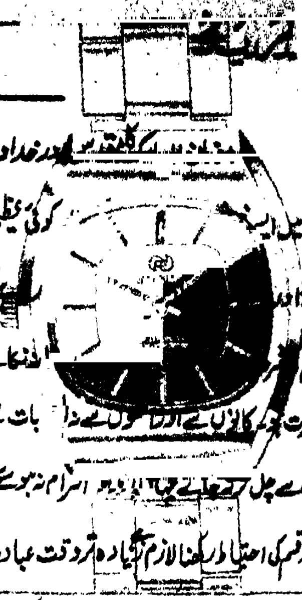
مشکور علی صدیقی: پروپرائٹر پرنٹر اور پبلشر نے جمال پریس میں چھپوا کر ۱۰۵۹ گلی راجان فراشخانہ دہلی سے شائع کی

فہرست مضامین

[illegible] کے ہر متعلقہ فرد کو تجارتی تحفظ اور صنعتی بہبودی کا [illegible] ہے۔

روزہ اور ہماری زندگی





... خداوند تعالیٰ کی رحمتوں کا مہینہ شروع ہو چکا ہے جس میں ہر بالغ مرد اور عورت روزہ رکھتے ہیں ...

... کوئی عظیم کام کرنے کی، ہوتی ہے روزہ رکھنے کا مقصد نہ صرف یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے ... لے ...

... ہے کہ انسان اپنی تمام حرکات و سکنات پر مکمل کنٹرول رکھے یعنی اس کی ذات سے کسی بھی انسان ...

... اذیت نہ دے اور دوسروں کے لئے باعث تکلیف ہوں اس طرح ہاتھوں سے کوئی کام ایسا نہ کرے جو ...

... بات سے اور نہ دیکھے جسے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم نے منع فرمایا ہے اللہ خداوند تعالیٰ نے نہ کرنے کی ...

... سے چل کر جانے ... اسلام نہ ہو سکے روزہ صرف بغیر کچھ کھائے پیئے وقت مقررہ تک رہنے کا نام نہیں بلکہ انسان کے جسم کے ہر اعضاء ...

ہر قسم کی احتیاط رکھنا لازم ہے زیادہ تر وقت عبادت گذاری میں صرف ہونا چاہیئے قرآن کی تلاوت ... پڑھنا لکھنا بھی شامل ... تو

... عبادت ہے ــــ عام طور ... ہے گاہکوں سے یا متعلقہ افراد



... حتیٰ جھگڑا ... روزہ ... پوری

... نے کے لئے سر ... رمضان المبارک ... اساتذہ ... طلبہ ایک

... ایسا کوئی کام نہ کرے جسے اسلام نے منع فرمایا ہے ــــ رمضان المبارک کے شروع ہوتے ساتھ ساتھ اسکول اور کالج بھی کھل چکے ہیں جہاں اساتذہ اور طلبا ایک

... اساتذہ کے نقش قدم پر چلتے ہیں ...

... ہے ان سے ہر حالت میں بچنا ضروری ہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ کچھ اساتذہ ایسے موقع پر بھی پان کھانا سگریٹ پینا نہیں چھوڑتے کھانے اور پینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

... لیے لوگ ... بر خدا کی پھٹکار ہوتی ہے ... اور شرم ... ہے ... عادت ہے کہ وہ ... مبارک کا احترام

کریں ... وہ استاد کہلا سکیں ــــ داخلوں کا زمانہ ہے سرپرستوں کی اسکولوں اور کالجوں میں جو جہل پہل نظر آتی ہے سرپرست بھی عام طور سے اپنے مزاج کے خلاف بات سننا دیکھنا گوارا نہیں

کرتے ... بعض سرپرست جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں انہیں اسکول کے ماحول کا بھی احترام نہیں رہتا اور بھول جاتے ہیں کہ یہ ادارے تربیت گاہ ہوتے ہیں جہاں صرف استاد ہی

محتاط نہیں رہتے بلکہ اسکول میں آنے والے ہر شخص کو محتاط رہنا ضروری ہے ورنہ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت نہ ہو سکے گی ایسے سرپرستوں سے ہماری دوستانہ اور پُرزور درخواست ہے کہ وہ تعلیمی

درسگاہوں میں داخل ہو کر درسگاہوں کا احترام کریں ــــ اس بابرکت مہینہ میں اس اہم پہلو پر غور کرنا اور ... حل کرنا بھی ایک عظیم کام ہوگا کہ درسگاہوں میں سرکاری

امداد کے علاوہ ۵ فیصدی نہیں بلکہ ۵ فیصد تک اور زیادہ ... کی اسلامی ... کے لئے کم سے کم ... اداروں میں

... لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہوتی ہے جسے پورا کرنا اس علاقہ کے لوگوں کیلئے ضروری ہوتا، ماہنامہ ... اس رقم کو پورا کرنے کیلئے مشورہ دیتا ہے کہ آپ تعلیمی درسگاہ

... اپنا ... بالائی ... تعلیمی ... تعاون ...

۴۶۶۶ ـ ... ـ ۱۱ ... ــــ فون ۸۵۴۸۵۶

تجارتی راز

(مولانا وحید الدین خاں)

علی گڑھ میں کئی مسلم ہوٹل ہیں میں دس سال سے ان کو دیکھ رہا ہوں مگر ان میں صرف ایک ہوٹل ایسا ہے جو اس مدت میں مسلسل ترقی کرتا رہا ہے باقی تمام ہوٹل جہاں دس سال پہلے تھے وہیں آج بھی پڑے ہوئے ہیں ترقی کرنے والے ہوٹل کے مالک سے میں نے ایک روز پوچھا کہ آپ کی ترقی کا راز کیا ہے۔ ” بالکل سادہ“ انھوں نے جواب دیا ” جو چیز دوسرے ہوٹل والے کیلو میں خریدتے ہیں اس کو ہم بوروں میں خریدتے ہیں ہر خریداری کے وقت ہم پورے بازار کو دیکھتے ہیں اور جو چیز جہاں کفایت سے ملتی ہے اس کو وہاں سے لیتے ہیں زیادہ مقدار اور نقد خریداری کی وجہ سے چیز ہم کو اور بھی سستی پڑ جاتی ہے اس کے بعد انھوں نے ہنس کر کہا ” گاہک سے نہیں کمایا جاتا بازار سے کمایا جاتا ہے۔

عام طور پر دوکانداروں کا یہ حال ہے کہ جو گاہک سامنے آجائے بس اس کی جیب سے زیادہ سے زیادہ پیسے نکال لینے کو دکان داری سمجھتے ہیں یہ دکان داری نہیں لوٹ ہے اور جس دکان دار کے بارے میں مشہور ہو جائے کہ وہ ” لوٹتا ہے “ اس کے یہاں کون خریداری کے لئے جائے گا یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے دکان دار زیادہ ترقی نہیں کر پاتے۔ دکانداری کا زیادہ اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ مال کی خریداری کے وقت آپ کوشش کریں کہ آپ کو کم قیمت میں مال ملے تاکہ نرخ سے گاہک کو دینے کے بعد بھی آپ کو زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

یہ اصول ہر قسم کے کاروبار کے لئے صحیح ہے ہر کاروبار میں ایسا ہوتا ہے کہ دکان دار اپنے گاہک کے ہاتھ جو چیز بیچتا ہے اس کو وہ خود کہیں سے خرید کر لاتا ہے۔ یہ خریداری خواہ ایک مرحلہ میں ہو یا کئی مرحلوں میں اس کی ہمیشہ کئی صورتیں ہیں۔

اکثر دکان دار مشقت اور دوڑ بھاگ سے بچنے کے لئے کسی آسان یا قریبی ذریعے سے اپنی ضرورت کا سامان حاصل کرتے ہیں لیکن اگر دوڑ بھاگ کی جائے اور محنت سے کام لیا جائے تو وہی چیز نسبتاً کم قیمت میں حاصل کی جا سکتی ہے جس کو دوسرا شخص محنت سے بچنے کی خاطر زیادہ قیمت میں حاصل کر رہا ہے

عام دکان دار ہمیشہ اپنی محنت کی کمی کو گاہک کی جیب سے زیادہ وصول کر کے پورا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس قسم کی تجارت کبھی آدمی کو بڑی ترقی تک نہیں پہنچاتی بہترین تجارتی گر یہ ہے کہ گاہک کو ممکن حد تک مناسب نرخ پر چیزیں فراہم کی جائیں اور گاہک کے ہاتھ پہنچنے سے پہلے کا جو مرحلہ ہے اس میں زیادہ سے زیادہ ” کمانے کی کوشش کی جائے زیادہ کمائی بازار سے کی جائے نہ کہ گاہک سے

آسانی ہمیشہ مشکلوں کے بعد آتی ہے

گرمیوں کے موسم میں گرد و غبار سے بھری ہوئی آندھی جب اٹھتی ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصیبت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر روس کے ماہرین موسمیات نے وسط ایشیا کے ریگستانوں میں تحقیقات کے بعد بتایا ہے کہ گرد بھری ہوئی آندھیاں زمین پر موسم کی سختی کو کنٹرول کرنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہیں جب آندھیاں چلتی ہیں تو ان کی وجہ سے گرد اٹھ کر چھا جاتی ہے اور فضا میں ایک غلاف کی صورت بنا لیتی ہے اس طرح یہ آندھیاں زمین کی سطح کو گرمی کی تپش سے محفوظ رکھتی ہیں روسی سائنس دانوں نے مختلف آلات اور جہازوں کا استعمال کر کے آندھیوں کی خصوصیات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سخت گرمی کے دنوں میں بھی ریگستان کی تپتی ہوئی سطح اس وقت ٹھنڈی ہو جاتی ہے جب گرد

(باقی صفحہ …)

[illegible] بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہے گرد کے بادل یہ دار بادل محدود فضا میں بھی پھیلتے ہیں اور کافی دور تک بھی جیسے عرب سے جنوبی امریکہ تک اور وسط ایشیا سے بحر آرکٹک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پرمشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پرمشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے اور اس سے مطابقت کر کے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کر سکتے ہیں اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو ،،آندھی،، کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سر پر ٹھنڈا بادل سایہ کر لے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ ،،مختصر راستہ،، کا لفظ جیومیٹری اور پگڈنڈیوں کی دنیا کے لئے صحیح ہے۔ مگر زندگی کی جدوجہد میں ،،مختصر راستہ،، کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا اس نے ایک ہیرا چرا لیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہو گیا۔ انہوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کر دیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کر دی نوجوان نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستے سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی میں داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مر گیا

سیڑھی کا راستہ اگر کسی کو بند نظر آئے تو وہ ،،کھڑکی،، سے چھلانگ لگا کر سڑک [illegible]

[illegible] چھلانگ لگا کر سڑک ___ بظاہر یہ ایک آسان راستہ معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے عقل مند لوگ بھی ٹھیک اسی طرح کی زندگی میں چھلانگ لگاتے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

کامیابی کا سادہ اصول

ایک صاحب نے تارے کی مارکیٹ میں دکان کھولی وہ روزانہ دیکھتے تھے کہ بے شمار آدمی سڑک پر آرہے ہیں اور جا رہے ہیں مگر ان کی اکثریت ان کی دکان کو دیکھتی ہوئی گزر جاتی تھی ایک روز ان کے ساتھ ایک واقعہ گزرا جس نے ان کو دکان داری کا راز بتا دیا وہ کپڑا خریدنے کے لئے۔ کپڑے کی مارکیٹ میں گئے وہاں مسلسل بہت سی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ایک کے بعد ایک دکان سے گزر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس دکان میں داخل ہوں اتنے میں ایک دکان دار نے ان کو اپنی دکان کے سامنے دیکھ کر کہا:

،،آئیے جناب اندر آکر دیکھئے،، یہ سن کر وہ دکان کے اندر داخل ہو گئے۔

اپنے اس تجربے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ مارکیٹ میں جو گاہک آتے ہیں ان کی اکثریت یا توئی ہوتی ہے یا کسی خاص دکان سے بندھی ہوئی نہیں ہوتی ایسے لوگ دکانوں سے گزرتے ہیں تو ایک قسم کے تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کس دکان میں داخل ہوں۔ ایسے وقت میں ایک شخص ہمدردانہ انداز میں اگر ان سے کہے کہ اندر تشریف لائیے تو گویا اس نے ان کے تذبذب کو ختم کیا اس نے ان کو فیصلہ کرنے میں مدد دی ایسا آدمی بیشتر حالات میں چلنے والے آدمی کو اپنی دکان کے اندر بلانے میں کامیاب ہو جائے گا بیشتر لوگوں کے ذہن میں پہلے سے کوئی طے شدہ چیز موجود نہیں ہوتی اگر آپ اس راز کو جان لیں تو معمولی دانش مندی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں [illegible]

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(ابوالفیض سحر)

فارسی کا یہ مصرعہ کہ "قلم گوید کہ من شاہ جہانم"

اپنے اندر خیال و فکر کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے اس کے پیچھے صدیوں کے تجربات، نسلوں کی دانشمندی اور قوموں اور ملتوں کی زندگیوں کی تاریخ کا شعور جلوہ گر ہے۔ قلم سے مراد یہاں علم و ہنر کی وہ نعمت ہے جو ہزاروں دولتوں اور نعمتوں سے برتر اور افضل ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر بھی ان قوموں اور ملتوں کا راست طور پر یا بالواسطہ طریقے سے اثر و رسوخ ہے جو علوم و فنون سے بہرہ ور ہیں۔ معاشی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی ترقیات کی بنیاد آج جدید اور سائنٹفک علوم ہی ہیں جب اس نقطۂ نظر سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرتے ہیں تو بڑی حد تک مایوسی ہوتی ہے اور روحانی اذیت بھی پہنچتی ہے کہ وہ قوم جس کی الہامی کتاب کی بھی پہلی آیت سے لے کر قرآن مکمل اور قرآن مجسم تک سبھی علم اور تحصیل علم پر زور دیتے آئے، علم سے بے بہرہ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ ایک طویل اور مستقل مطالعہ کا موضوع ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان ابتدائی زمانے سے تعلیم پر ہی توجہ دیتے آئے ہیں، مگر یہ بھی سچ ہے کہ ملکی اور انتظامی ذمہ داریوں نے انہیں علم و فن کی جستجو و تلاش میں پوری طرح منہمک رہنے سے محروم رکھا ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے بھی اس علت میں کافی اضافہ کیا ہے۔ علم کی طرف سے لاپرواہی کا یہ رویہ اور یہ رجحان دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ پر ایک لعنت بن گیا جس کی نحوست سے ہندوستان کے مسلمان آج تک نکل نہیں سکے ہیں اور اسی رجحان نے بہ حیثیت مجموعی انہیں زراعت کی طرف، مائل کیا نہ تجارت کی طرف۔ صرف فن سپاہ گری اور درباروں کی ملازمت و منشی گریوں کے شوق یا اطمینان نے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ اس پر انقلابات زمانہ نے بھی خوب ستم ڈھائے تاریخ کی یہ کروٹ ہماری ملی تصویر کا یہ رخ آج بھی اور آئندہ کے لئے بھی ہماری فکر ہماری ہوشمندی اور ہماری دانشوری کے دامن کو جھنجھوڑ رہا ہے۔

بہرحال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی کوئی روایت ہی نہیں تھی۔ اس کے برخلاف ہر شعبہ میں مہارت، خدمت اور کارناموں کی بہترین مثالیں ملی ہیں۔ مگر آبادی کے اعتبار اور ترقی یافتہ زندگی کے تقاضوں کے لحاظ سے یہ روایتیں نہ ملنے کے برابر قرار دی جائیں گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ کاریگروں اور صنعت کاروں کی بھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ اس طرح بڑے بڑے تاجر بھی کافی ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری ملت ہر اعتبار سے پسماندہ ہی رہی چند علماء چند تعلیم یافتہ لوگ کچھ بڑے صنعت کار یا تاجر ہوں تو ساری ملت کو خوش حال اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا بعض خاندانوں اور بعض علاقوں سے ہٹ کر عام مسلمان بہ حیثیت مجموعی علم و ہنر اور معاشی آسودگی میں بہت پیچھے ہیں اس کی کئی وجوہ ہیں اس سلسلہ میں دردمندوں نے کئی بار غور و فکر کیا ہے بارہا تحقیقی کوششیں بھی کی گئی ہیں بسر

بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہے گرد کے یہ سایہ دار بادل محدود فضا میں بھی چھا سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی جیسے عرب سے جنوبی امریکہ تک اور وسط ایشیا سے بحر آرکٹک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پُر مشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پُر مشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے اور اس سے مطابقت کرکے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کرسکتے ہیں اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو "آندھی" کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سر پر ٹھنڈا بادل سایہ کرلے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ "مختصر راستہ" نقطہ نظر کو اور پگڈنڈیوں کی دنیا کے لئے صحیح ہے۔ مگر زندگی کی جدوجہد میں "مختصر راستہ" کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا اس نے ایک ہیرا چرا لیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہوگیا۔ انہوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کر دیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کردی نوجوان نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستے سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی تک داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگا دی بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مر گیا ۔ سیڑھی کا راستہ اگر اس کو بند نظر آیا تو وہ "کھڑکی" سے چھلانگ لگا کر سڑک تک پہنچ گیا —— بظاہر یہ ایک اچھی ذہانت کا مسئلہ ہوتا ہے مگر بہت سے عقلمند لوگ بھی ٹھیک اسی طرح زندگی میں دہراتے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

کامیابی کا سادہ اصول

ایک صاحب نے تالے کی مارکیٹ میں دکان کھولی وہ روزانہ دیکھتے تھے کہ بے شمار آدمی سڑک پر آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں مگر ان کی اکثریت ان کی دکان کو دیکھتی ہوئی گزر جاتی تھی ایک روز ان کے ساتھ ایک واقعہ گزرا جس نے ان کو دکانداری کا راز بتا دیا وہ کپڑا خریدنے کے لئے کپڑے کی مارکیٹ میں گئے وہاں مسلسل بہت سی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ایک کے بعد ایک دکان سے گزر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس دکان میں داخل ہوں اتنے میں ایک دکان دار نے ان کو اپنی دکان کے سامنے دیکھ کر کہا:

"آئیے جناب اندر آکر دیکھئے" یہ سن کر وہ دکان کے اندر داخل ہوگئے۔

اپنے اس تجربے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ مارکیٹ میں جو گاہک آتے ہیں ان کی اکثریت یا تو نئی ہوتی ہے یا کسی خاص دکان سے بندھی ہوئی نہیں ہوتی ایسے لوگ دکانوں سے گزرتے ہیں تو ایک قسم کے تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کس دکان میں داخل ہوں۔ ایسے وقت میں ایک شخص ہمدردانہ انداز میں اگر ان سے کہے کہ اندر تشریف لائیے تو گویا اس نے ان کے تذبذب کو ختم کیا اس نے ان کو فیصلہ کرنے میں مدد دی ایسا آدمی بیشتر حالات میں چلنے والے آدمی کو اپنی دکان کے اندر بلانے میں کامیاب ہو جائے گا بیشتر لوگوں کے ذہن میں پہلے سے کوئی طے شدہ چیز موجود نہیں ہوتی اگر آپ اس راز کو جان لیں تو معمولی دانشمندی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(ابوالفیض سحر)

فارسی کا یہ مصرعہ کہ قلم گوید کہ من شاہ جہانم "اپنے اندر خیال و فکر کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے اس کے پیچھے صدیوں کے تجربات، نسلوں کی دانش مندی اور قوموں اور ملتوں کی زندگیوں کی تاریخ کا شعور جلوہ گر ہے۔ قلم سے مراد یہاں علم و ہنر کی وہ نعمت ہے جو ہزاروں دولتوں اور نعمتوں سے برتر اور افضل ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر بھی ان قوموں اور ملتوں کا راست طور پر یا بالواسطہ طریقے سے اثر و رسوخ ہے جو علوم و فنون سے بہرہ ور ہیں۔ معاشی سیاسی سماجی اور اقتصادی ترقیات کی بنیاد آج جدید اور سائنٹفک علوم ہی ہیں جب اس نقطۂ نظر سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرتے ہیں تو بڑی حد تک مایوسی ہوتی ہے اور روحانی اذیت بھی پہنچتی ہے کہ وہ قوم جس کی الہامی کتاب کی بھی پہلی آیت سے لے کر قرآن مکمل اور قرآن مجسم تک سبھی علم اور تحصیل علم پر زور دیتے آئے، علم سے بے بہرہ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ ایک طویل اور مستقل مطالعہ کا موضوع ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان ابتدائی زمانے سے تعلیم پر ہی توجہ دیتے آئے ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ملکی اور انتظامی ذمہ داریوں نے انہیں علم و فن کی جستجو و تلاش میں پوری طرح منہمک رہنے سے محروم رکھا ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے بھی اس علت میں کافی اضافہ کیا ہے۔ علم کی طرف سے لاپرواہی کا جذبہ اور یہ رجحان دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ پر ایک لعنت بن گیا جس کی نحوست سے ہندوستان کے مسلمان آج تک نکل نہیں سکے ہیں اور اسی رجحان نے بہ حیثیت مجموعی انہیں زراعت کی طرف، مائل کیا نہ تجارت کی طرف۔ صرف فن سپاہ گری اور درباروں کی ملازمتیں ومنشی گریوں کے شوق یا اطمینان نے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ اس پر انقلابات زمانہ نے بھی خوب ستم ڈھائے تاریخ کی یہ کروٹ ہماری ملی تصویر کا یہ رخ آج بھی اور آئندہ کے لئے بھی ہماری فکر ہماری ہوشمندی اور ہماری دانشوری کے دامن کو جھنجھوڑ رہا ہے۔

بہرحال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی کوئی روایت ہی نہیں تھی۔ اس کے برخلاف ہر شعبہ میں مہارت، خدمت اور کارناموں کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ مگر آبادی کے اعتبار اور ترقی یافتہ زندگی کے تقاضوں کے لحاظ سے یہ روایتیں نہ ملنے کے برابر قرار دی جائیں گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ کاریگروں اور صنعت کاروں کی بھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ اس طرح بڑے بڑے تاجر بھی کافی ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری ملت ہر اعتبار سے پسماندہ ہی رہی چند علماء چند تعلیم یافتہ لوگ کچھ بڑے صنعت کار یا تاجر ہوں تو ساری ملت کو خوش حال اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا بعض خاندانوں اور بعض علاقوں سے ہٹ کر عام مسلمان بہ حیثیت مجموعی علم و ہنر اور معاشی آسودگی میں بہت پیچھے ہیں جس کی کئی وجوہ ہیں اس سلسلہ میں دردمندوں نے کئی بار غور و فکر کیا ہے بارہا تحقیقی کوششیں بھی کی گئی ہیں ہر دور کے

بھری ہوئی آندھیاں چلنا شروع ہوتی ہیں گرد کے یہ بادل محدود فضا میں بھی پھیل سکتے ہیں اور کافی دور تک بھی جیسے عرب سے جنوبی امریکہ تک اور وسط ایشیا کے ... ملک تک۔

قدرت کا نظام کچھ اس طرح بنا ہے کہ ہر مفید واقعہ کسی پُرمشقت عمل کے بعد ظہور میں آتا ہے یہ ایک سبق ہے جو بتاتا ہے کہ ہم جب اپنی زندگی کے بارے میں کوئی منصوبہ بنائیں تو اس حقیقت کو بھی ضرور سامنے رکھیں کہ مطلوبہ نتیجہ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کو جدوجہد کے پُرمشقت دور سے گزرنا ہوگا۔ موجودہ دنیا کو اس کے بنانے والے نے اسی ڈھنگ پر بنایا ہے اور اس سے مطابقت کرکے ہی ہم کوئی مفید نتیجہ برآمد کرسکتے ہیں اگر ہم یہ چاہیں کہ ہم کو "آندھی" کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اس کے بغیر ہی ہمارے سروں پہ ٹھنڈا بادل سایہ کرلے تو ایسے نتیجہ کو پانے کے لئے ہمیں، دوسری کائنات بنانی پڑے گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر حالات میں ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی فوراً کامیابی چاہتا ہے۔ "مختصر راستہ" ناولوں اور پکڈنڈیوں کی دنیا کے لئے ترجیح ہے۔ مگر زندگی کی جدوجہد میں "مختصر راستہ" کی قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ سورت میں ہیرے کی ایک دکان ہے جو دوسری منزل پر ہے ایک نوجوان اس دکان میں داخل ہوا اس نے ایک ہیرا چرالیا اور اس کو لے کر باہر نکل جانا چاہا مگر دکان کے آدمیوں کو شبہ ہوگیا۔ انہوں نے فوراً سیڑھی کا دروازہ بند کردیا اور نوجوان سے پوچھ گچھ شروع کردی نوجوانوں نے دیکھا کہ سیڑھی کے راستے سے بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے وہ تیزی سے قریب کی کھڑکی میں داخل ہوا اور وہاں سے نیچے کی طرف چھلانگ لگادی بظاہر اس نے بھاگ نکلنے کے لئے چھلانگ لگائی تھی مگر دوسری منزل سے جب وہ سڑک پر گرا تو اس کو اتنی سخت چوٹ آئی کہ وہ وہیں سڑک پر مرگیا ... سیڑھی کا راستہ اگر کسی کو بند نظر آئے تو وہ "کھڑکی" سے چھلانگ لگا کر سڑک پر نہیں پہنچ سکتا ایسی چھلانگ اس کو ... جو سڑک کے بجائے قبر ... سڑک ... بظاہر یہ ایک احمق نوجوان کا قصہ معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے عقل مند لوگ بھی ٹھیک اسی طرح زندگی میں رہ رہے ہیں اور بالآخر اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس سے مذکورہ نوجوان دوچار ہوا۔

کامیابی کا سادہ اصول

ایک صاحب نے تالے کی مارکیٹ میں دکان کھولی وہ روزانہ دیکھتے تھے کہ بے شمار آدمی سڑک پر آرہے ہیں اور جارہے ہیں مگر ان کی اکثریت ان کی دکان کو دیکھتی ہوئی گزر جاتی تھی ایک روز ان کے ساتھ ایک واقعہ گزرا جس نے ان کو دکان داری کا راز بتادیا وہ کپڑا خریدنے کے لئے۔ کپڑے کی مارکیٹ میں گئے وہاں مسلسل بہت سی دکانیں کھلی ہوئی تھیں وہ ایک کے بعد ایک دکان سے گزر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس دکان میں داخل ہوں اتنے میں ایک دکان دار نے ان کو اپنی دکان کے سامنے دیکھ کر کہا:

"آئیے جناب اندر آکر دیکھئے" یہ سن کر وہ دکان کے اندر داخل ہوگئے۔

اپنے اس تجربے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ مارکیٹ میں جو گاہک آتے ہیں ان کی اکثریت یا تو نئی ہوتی ہے یا کسی خاص دکان سے بندھی ہوئی نہیں ہوتی ایسے لوگ دکانوں سے گزرتے ہیں تو ایک قسم کے تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کرپاتے کہ کس دکان میں داخل ہوں۔ ایسے وقت میں ایک شخص ہمدردانہ انداز میں اگر ان سے کہے کہ اندر تشریف لائیے، تو گویا اس نے ان کے تذبذب کو ختم کیا اس نے ان کو فیصلہ کرنے میں مدد دی ایسا آدمی بیشتر حالات میں چلنے والے آدمی کو اپنی دکان کے اندر بلانے میں کامیاب ہوجائے گا بیشتر لوگوں کے ذہن میں پہلے سے کوئی طے شدہ چیز موجود نہیں ہوتی اگر آپ اس راز کو جان لیں تو معمولی دانش مندی سے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں

مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(ابوالفیض سحر)

فارسی کا یہ مصرعہ کہ "قلم گوید کہ من شاہ جہانم" اپنے اندر خیال و فکر کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے اس کے پیچھے صدیوں کے تجربات، نسلوں کی دانش مندی اور قوموں اور ملتوں کی زندگیوں کی تاریخ کا شعور جلوہ گر ہے۔ قلم سے مراد یہاں علم و ہنر کی وہ نعمت ہے جو ہزاروں دولتوں اور نعمتوں سے برتر اور افضل ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر بھی ان قوموں اور ملتوں کا راست طور پر یا بالواسطہ طریقے سے اثر و رسوخ ہے جو علوم و فنون سے بہرہ ور ہیں۔ معاشی، سیاسی سماجی اور اقتصادی ترقیات کی بنیاد آج جدید اور سائنٹفک علوم ہی ہیں جب اس نقطۂ نظر سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کرتے ہیں تو بڑی حد تک مایوسی ہوتی ہے اور روحانی اذیت بھی پہنچتی ہے کہ وہ قوم جس کی الہامی کتاب کی بھی پہلی آیت سے لے کر قرآن مکمل اور قرآن مجسم تک سبھی علم اور تحصیل علم پر زور دیتے آئے، علم سے بے بہرہ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ ایک طویل اور مستقل مطالعہ کا موضوع ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان ابتدائی زمانے سے تعلیم پر ہی توجہ دیتے آئے ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ملکی اور انتظامی ذمہ داریوں نے انہیں علم و فن کی جستجو و تلاش میں پوری طرح منہمک رہنے سے محروم رکھا ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے بھی اس علت میں کافی اضافہ کیا ہے۔ علم کی طرف سے لاپرواہی کا یہ رویہ اور یہ رجحان دھیرے دھیرے غیر محسوس طریقہ پر ایک لعنت بن گیا جس کی نحوست سے ہندوستان مسلمان آج تک نکل نہیں سکے ہیں اور اسی رجحان نے بہ حیثیت مجموعی انہیں زراعت کی طرف، مائل کیا نہ تجارت کی طرف۔ صرف فن سپاہ گری، اور درباروں کی ملازمتیں و منشی گریوں کے شوق یا اطمینان نے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کو بھی دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ اس پر انقلابات زمانہ نے بھی خوب ستم ڈھائے تاریخ کی یہ کروٹ ہماری ملی تصویر کا یہ رخ آج بھی اور آئندہ کے لئے بھی ہماری فکر ہماری ہوشمندی اور ہماری دانشوری کے دامن کو جھنجوڑ رہا ہے،

بہرحال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی کوئی روایت ہی نہیں تھی۔ اس کے برخلاف ہر شعبہ میں مہارت، خدمت اور کارناموں کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ مگر آبادی کے اعتبار اور ترقی یا زندگی کے تقاضوں کے لحاظ سے یہ روایتیں نہ ملنے کے برابر قرار دی جائیں گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ کاریگروں اور صنعت کاروں کی بھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ اس طرح بڑے بڑے تاجر بھی کافی ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری ملت ہر اعتبار سے پسماندہ ہی رہی چند علماء چند تعلیم یافتہ لوگ کچھ بڑے صنعت کار یا تاجر ہوں تو ساری ملت کو خوش حال اور ترقی یافتہ نہیں کہا جا سکتا بعض خاندانوں اور بعض علاقوں سے ہٹ کر عام مسلمان بہ حیثیت مجموعی علم و ہنر اور معاشی آسودگی میں بہت پیچھے ہیں اس کی کئی وجوہ ہیں اس سلسلہ میں درد مندوں نے کئی بار غور و فکر کیا ہے بارہا تحقیقی کوششیں بھی کی گئی ہیں سرے

کا کام کیا گیا ہے۔ میں [illegible] دو مقالے شائع ہوئے ہیں۔
رپورٹیں لکھی گئی ہیں مگر سب کسی نہ کسی کمی اور کوتاہی
کا شکار ہوتی ہیں صحیح تصویر پھر بھی پوری طرح عیاں
ہو کر سامنے نہیں آتی ہے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا
ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کی سب سے
بڑی وجہ [illegible] ہے۔ میں اس سے پوری طرح متفق نہیں ہوں
میرا خیال ہے کہ محض غربت ہی سب کچھ نہیں ہے کئی وجوہ
اور بھی ہیں ان میں سے یہ صرف ایک وجہ ہے۔ بلکہ یہ
کہنا تو شاید غلط نہ ہو کہ غیر اہم وجہ ہے سب سے اہم
وجہ میری نظر میں خود مسلمانوں کی بے حسی، بے شعوری
اور بے عملی ہے جو خشکی اور خاندانی غفلت اور لاپروائی
سے شروع ہو کر ملت کی معاشی بدحالی اور تعلیمی پسماندگی
میں نتیجہ خیز ہوتی ہے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہندوستان
کے سارے مسلمان سب کے سب غریب نہیں۔ بعض
بعض علاقوں میں جیسے کیرلا، ٹامل ناڈو، مہاراشٹر
اور کشمیر اور یوپی، مغربی بنگال کے بیشتر مسلم گھرانے کے
متمول ہیں۔ مگر تعلیمی پسماندگی تقریباً ہر جگہ یکساں
ہے۔ امیر مسلمان تو اپنے بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیم
دلا سکتے ہیں اچھے سے اچھے اسکول داخل کرا سکتے ہیں
مگر ایک خاص سطح پر پہنچ کر ان کا تعلیمی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے
اور وہ خاندانی تجارت اور کاروبار سے منسلک ہو جاتے
ہیں دوسری طرف بالکل غریب اور مفلس مسلمان اپنے
بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنے کے موقف نہیں
ہوتے مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کو اچھی
سے اچھی تعلیم دلانا چاہتے ہیں مگر ان کے حالات اجازت
نہیں دیتے، والدین بچوں کی تعلیم و تربیت کے اخراجات
کی کفالت نہیں کر پاتے نہ ساتھ ہی ان کی کثیر العیالی
اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ بچے جوں ہی بڑے ہونے
لگیں اور کام کرنے اور کمانے بھی لگیں ورنہ ان کی گذر بسر
مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ خود مقامی انتظامیہ
کی پیدا کردہ دشواریاں ہلاکت خیز ہوتی ہیں۔

اسی موقع پر یہ بتا دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ
کچھ نیم حکیم خطرہ جان کا حکم رکھنے والے دانشور اور
پڑھے لکھے لوگ موقع پرست اور مصلحت پسند لوگ
یا ملازمت پیشہ لوگ ملازمت ہی کی غلامانہ ذہنیت
جو کہ پرانی سپہ گری درباروں کی ملازمت یا منشی گیری کی
ملازمتوں کی ذہنیت ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے اپنے
بچوں کو اپنی زبان چھوڑ کر دوسری زبانوں یا انگریزی
ذریعۂ تعلیم سے تعلیم دلاتے ہیں۔ اس فصل میں بھی کچھ
ہی پھل پک پاتے ہیں لیکن زیادہ تر کچے ہی ادھر ادھر
گر جاتے ہیں مگر دوسروں کے لئے تذبذب اور تردد کی راہ
چھوڑ جاتے ہیں جو اپنی حقیقی منزل کی طرف لیجانے کے بجائے
دوسرے سرابوں سے دوچار کرا دیتی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم مسئلہ کے دوسرے رخ پر
نظر ڈالتے ہیں تو بھی ایسی کئی مثالیں مل جاتی ہیں جہاں
ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لگ بھگ ہر شہر میں کئی ایسے مسلم
گھرانے ہوتے ہیں جو جنہیں کھاتے پیتے خوشحال خاندان
کہہ سکتے ہیں۔ مگر ان کے بچے بھی پرائمری اسکول یا مڈل
اسکول سے آگے نہیں جاتے اس لئے انہیں معلوم ہے
کہ پڑھ لکھ کر اتنا نہیں کمایا جا سکتا جتنا کہ کسی کاروبار
یا ہنر میں مہارت حاصل کر کے کمایا جا سکتا ہے اس
لئے وہ ایسی رسمی تعلیم جو عملی زندگی میں ان کے کام نہ
آسکے یا جو ان کا پیٹ نہ بھر سکے اسے وہ چھوڑ دیتے ہیں۔
تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ کرنے
سے حاصل؟ یہ رویہ ایک حد تک درست معلوم
ہوتا ہے مگر شئے کی حیثیت کو دیکھنے کی نظر سے دیکھا
جائے تو ایک اچھا انسان ایک اچھا شہری بننے
کے لئے کردار کی پختگی کے لئے کم از کم اسکول کی تعلیم کو
مکمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کم تعلیم یافتہ
نوجوان اگر کسی پیشے یا کاروبار یا دستکاری یا صنعت
سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو وقتی طور پر تو انہیں فائدہ
مل سکتا ہے اور چھوٹی عمر سے کمانے بھی لگتے ہیں مگر اسی
[illegible]

پہلی شرط

صفیہ سلطانہ وسلی نگینہ بجنور

افسانہ

"ڈاکٹر راحیل نے اپنی ڈسپنسری کھولی۔ اور سامنے پڑی ہوئی ساگوان کی منقش کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کا چہرہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ شہر کا مشہور ڈاکٹر ہزاروں مایوس مریضوں کا معالج آج بذات خود ایک مریض معلوم ہو رہا تھا ... "

" راحیل بہت خاموش اپنی کرسی پر سر جھکائے بیٹھے تھے کہ ایک کراہتا ہوا آدمی آیا اور ان سے اپنا حال بیان کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ مریضوں کی بھیڑ لگ گئی ڈاکٹر راحیل کے ہاتھ بڑی پھرتی سے اپنا کام کر رہے تھے لیکن اس سے زیادہ تیزی سے ان کا دماغ کام کر رہا تھا ایک بجے دوپہر وہ اپنے مریضوں سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے ملازم حمید کو کمرے میں بلایا اور ایک پرچہ دے کر اس کو کہیں جانے کی ہدایت کر دی۔ حمید کو بھیجکر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور کرسی پر بیٹھ کر حمید کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حمید پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا ......"

"کیا رہا حمید ...." راحیل نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا ..."

"بات نہیں بنی ...." سرکار" حمید نے مایوس کن لہجہ میں کہا۔

"کیوں .... وہاں صاحب نہیں ملے ... ؟"

راحیل نے گھبرا کر پوچھا ...."

"ٹھہر جائیے صاحب! ذرا ایک دم لے لوں تو بتاؤں۔ حمید یہ کہہ کر ٹیبل فین کے سامنے کھڑا ہو گیا ......"

"اسٹول پر بیٹھ جاؤ .... حمید ..." راحیل نے رومال سے اپنی پیشانی کا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا .... اور حمید دعائیں دیتا ہوا اسٹول پر بیٹھ گیا .... اور بولا .... بات یہ ہوئی سرکار میں جب خان صاحب کے گھر پہنچا تو وہ مجھے باہر برآمدے ہی میں مل گئے میں نے آپ کا پرچہ انہیں دے دیا۔ انہوں نے پرچہ پڑھا اور پھر گھر میں چلے گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہنے لگے ..."

حمید میاں میں اس قابل کہاں جو ڈاکٹر صاحب سے رشتہ جوڑ دوں۔ میں تو غریب آدمی ہوں۔ کہاں سے لاؤں گا اتنی دولت جو ہزاروں کا جہیز دے کر اپنی بیٹی کی شادی راحیل میاں سے کر دوں۔ آخر ان کے والدین کو بھی تو کچھ آرزوئیں ہوں گی؟ وہ ابھی ناسمجھ ہیں جو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے۔ ان کے والدین کو جب پتہ چلے گا کہ ان کا لڑکا ایک غریب لڑکی سے شادی کر رہا ہے تو وہ آگ بگولہ ہو جائیں گے۔ تم ان سے جاکر کہہ دو کہ وہ اپنے والدین کی مرضی کے مطابق شادی کریں ...

حمید نے بے کم و کاست پوری بات سنا ڈالی ..."

"راحیل نے کہا ... ہم دولت کی نہیں شرافت کی قدر کرتے ہیں یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ شریف لوگوں کی بیٹیاں دولت نہ ہونے کی وجہ سے انتظار کی گھڑیاں گنتے گنتے بوڑھی ہو جائیں۔ اور امیر لوگوں کی بدکردار لڑکیاں عیش و عشرت کی زندگی گزاریں ..."

"بے شک .... سرکار ...!" حمید نے سر کو جھکاتے ہوئے ... کہا ..."

اچھا حمید چلو .... اب گھر چلتے ہیں

راحیل نے ایک لمبی سانس لی اور کرسی سے اٹھ کر

کھڑے ہو گئے جمید بھی ان کے ساتھ گھر کے لئے روانہ ہو گیا ۔۔۔"

وہ گھر پہنچے تو کیا محسوس کیا کہ گھر آج روز سے زیادہ ہی چہل پہل ہے۔ راحیل نے اپنے کمرے کا پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گئے۔ سخت گرمی کے باعث وہ پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ انہوں نے کپڑے تبدیل کئے اور سوئچ آن کر کے مسہری پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نمو کھانا لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو راحیل نے اس سے کہا: ۔ نمو! ذرا نجمہ کو میرے پاس بھیج دو۔۔۔"

اچھا بابو جی ابھی بھیج دوں گی ۔۔۔ کہتی ہوئی نمو چھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔ راحیل نے اٹھ کر واش بیسن میں ہاتھ دھوئے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ راحیل کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اب بھی اداس ہو رہی تھیں۔

کمرے کا پردہ اٹھا کر نجمہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی وہ راحیل کا اداس چہرہ دیکھ کر گھبرا گئی ۔۔۔"

کیا بات تھی بھیا آپ نے مجھے بلایا تھا ۔۔۔ نجمہ نے غور سے راحیل کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا:"

ہاں نجمہ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں پہلے مجھے ایک گلاس پانی دیدو راحیل نے سپاٹ لہجہ میں کہا ۔۔۔"

"اچھا بھیا! کہہ کر نجمہ نے صراحی سے پانی انڈیل کر راحیل کو دیا اور خود ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور راحیل کی بات کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی ۔۔۔"

"نجمہ ۔۔۔ !" تم صوفیہ کو جانتی ہو۔ جو قریب کے اسکول میں ٹیچر ہیں ۔۔۔"

جی بھیا! صوفیہ باجی نے ہائی اسکول اس وقت پاس کیا تھا۔ جب میں نے آٹھویں کلاس میں تھی میں نے ان سے انگلش پڑھی تھی لیکن آپ ان کو کیسے جانتے ہیں وہ تو بہت غریب ہیں ان کے بھائی بھی ہیں نیز وہ بھی ٹیوشن پڑھاتے ہیں اور بی، اے میں پڑھتے ہیں میں ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ نجمہ اپنی بات ختم کر کے راحیل کے جواب کا انتظار کرنے لگی ۔۔۔"

"نجمہ ۔۔۔" کیا دولت سے ہی انسان جانا جاتا ہے اگر کوئی آدمی غریب ہو تو کیا اس کو جاننا بھی شرافت سے گری ہوئی بات ہے؟"

ہرگز بھی نہیں۔ غریب آدمی میں امیروں سے زیادہ ہمدردی ہوتی ہے ہمیں غریبوں کا دکھ بانٹنا چاہیے ۔۔۔۔ نہ کہ ان سے نفرت کرنی چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ صوفیہ اس گھر کی بہو بن کر آ جائے تم میرا یہ پیغام امی جان تک پہنچا دو ۔۔۔"

"نجمہ حیرانی سے راحیل کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو جوش جذبات سے سرخ ہو رہا تھا ۔۔۔"

"بھیا امی جان نے تو آپ کے لئے روحی کا انتخاب کیا ہے اور کل خالہ جان کے ساتھ وہ روحی کے گھر بدایوں جائیں گی۔ اب اگر میں ان سے آپکی پسند کے بارے میں کہوں گی تو وہ بہت خفا ہوں گی۔ ۔۔۔ نجمہ نے راحیل کو ڈراتے ہوئے کہا ۔۔۔"

"یہ روحی کس کی لڑکی ہیں ۔۔۔؟ امی نے اس بارے میں مجھ سے تو آج تک کبھی کوئی ذکر نہیں کیا ۔۔۔ راحیل نے تیز نظروں سے نجمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔۔۔"

"یہ پاپا کے ایک گہرے دوست خلیق صاحب کی اکلوتی لڑکی ہیں جہیز میں ٹیلی ویژن، فرج کے علاوہ بیس ہزار روپے نقد بھی دیں گے۔ نجمہ نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا ۔۔۔"

"اوف ۔۔ فوہ ۔۔۔ نجمہ ۔۔۔! تم ایک پروفیسر کی لڑکی ایک ڈاکٹر کی بہن ہو یا کوئی بھکارن جو پرائی چیزوں پر نظر رکھتی ہو۔ جاؤ ابھی جا کر امی جان سے کہہ دو کہ میں روحی سے نہیں بلکہ صوفیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں وہ وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیں اور صوفیہ کے گھر جا کر اس کے والدین سے اس کو میرے لئے مانگ لیں راحیل نے کھڑے ہو کر تولیہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے

کہا ...

نجمہ برتن لے کر راحیل کے کمرے سے نکل گئی۔ اور کچن میں برتن رکھ کر سیدھی اپنی امی کے کمرے میں پہنچی اور راحیل کی امی اور خالہ جان ایک ہی پلنگ پر لیٹی ہوئی سرگوشی کے انداز میں باتیں کرنے میں مصروف تھیں ...

" نجمہ نے اپنی امی کے پاس جا کر اپنی اور راحیل کی ساری بات دہرا دی .... اس کی امی نجمہ کی باتیں سن کر اپنے بیٹے کی اس جرأت پر آگ بگولہ ہو گئیں اور چیخنے کے انداز میں بولیں .... اسی لئے تو لے پڑھا لکھا کر اس قابل کیا ہے کہ یہ ایک فقیرنی کو بیاہ کر لائے اور ہمت تو دیکھو مجھے حکم دے رہا ہے کہ اس کنگال کے گھر جا کر سوال کروں ...."

" اگر وہ یہ بات مجھ سے کہتا کہ صوفیہ کو صرف کی خدمت کے لئے ملازمہ کے طور پر رکھ لو تو ایک بات بھی تھی اور میں اس کی یہ بات مان بھی لیتی ...."

اب تو میں ضرور اس کے حکم پر چلوں گی ؟ کیا مل جائیگا مجھے اس فقیرنی کو بہو بنا کر .... کچھ سنا تم نے نجمہ؟ راحیل کی امی نے اپنی بہن کو مخاطب کیا ..."

"بے شک باجی رشتہ داری اپنی برادری ہی میں کھپ سکتی ہے ... بھلا یہ نالی کی اینٹ چوبارے میں کیا سجے گی ...؟

مخمل میں بھی کبھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے .. کون ہے یہ چھوکری، جس کے راحیل دیوانہ ہوا ہے۔ خالہ جان نے منہ بنا کر پوچھا ...؟

" یہ پروفیسر صاحب کی دور کی، رشتے کی ایک بہن کی لڑکی ہے ... شاہدہ بیگم نے تیوری چڑھا کر کہا ...."

" شاہدہ بیگم تیز تیز قدموں سے غصہ میں بھری ہوئی راحیل کے کمرے میں جا پہنچیں ...."

راحیل ... ! " کان کھول کر سن لو .. تمہیں ہماری مرضی پر چلنا ہوگا۔ انہوں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا ...."

" کیا بات ہے امی جان ....! " راحیل جو کہ مسہری پر لیٹا ہوا کسی رسالے کا مطالعہ کر رہا تھا گھبرا کر اٹھ بیٹھا ....."

" مجھے پتہ چلا ہے کہ تم صوفیہ سے شادی کرنا چاہتے ہو .... اس کی امی نے حکماً کہا ..."

" وہ .... ہاں .... دراصل ... بات .... یہ .... ہے .... کہ .... امی جان .... راحیل نے اٹک اٹک کر کہا .... مجھے صوفیہ سے نہیں بلکہ اس کی غربت سے ہمدردی ہے۔ اگر صوفیہ بھی کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوتی تو اس کے لئے بھی آج لڑکوں کی کمی نہ ہوتی۔ اس کے والدین بھی منہ مانگا جہیز دے کر کوئی اچھا لڑکا خرید سکتے تھے ..."

" امی جان ! کیا آپ یہ بات پسند نہیں کرتیں کہ سماج میں پھیلے ہوئے اس ناسور کا خاتمہ ہو جائے اب حالت اتنی بدتر ہوتی جا رہی ہے کہ امیر لوگوں کو دیکھ کر غریب لڑکے بھی اونچی جگہ ہاتھ مارنے کی فکر میں رہتے ہیں ... راحیل اپنی بات پوری کر کے خاموش ہوا تو اس کی امی نے فیصلہ کن انداز میں کہا ..."

" میں صوفیہ سے ہرگز بھی تمہاری شادی نہیں کرونگی یہ میرا قطعی اور آخری فیصلہ ہے ...."

" تو پھر ایسا کیجئے کہ آپ پہلے صوفیہ کی کسی اچھے لڑکے سے شادی کرا دیں .... راحیل نے سوالیہ نظروں سے اپنی امی کی طرف دیکھا ..."

" ہاں ... یہ کار ثواب ہے میں اس کے لئے تیار ہوں میں تمہارے پاپا سے کہہ کر اس کے لئے کوئی مناسب لڑکا تلاش کرا کر اس کا خیر کر ضرور کرا دوں گی ..."

" لیکن امی جان آپ کو میری ایک شرط ماننی پڑیگی "

" اب تمہاری کیا شرط اٹک گئی۔ شاہدہ بیگم نے

جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا .....؟

"وہ شرط یہ ہے کہ میں لڑکی سے صرف اس شرط پر شادی کروں گا کہ جہیز نام کی کوئی چیز آپ وہاں سے نہیں لیں گی اور اگر آپ نے میری یہ شرط نہ مانی تو میں ہرگز بھی شادی نہیں کروں گا۔ راحیل نے نہایت متین لہجہ میں کہا...؟

"کیوں ....؟ کیا ہم نے تمہیں اس لئے پڑھایا لکھایا .... پھر اتنے ہزار روپے تمہاری ڈسپنسری کھلوانے میں لگائے، اسی امید پر کہ خالی لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں۔ اور ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ رہیں۔ اگر تمہیں بھی کچھ نہیں چاہیئے اور ہم بھی کچھ نہ مانگیں تب بھی وہ بغیر مانگے اپنی بیٹی کو بہت کچھ دیں گے۔"

"نہیں امی جان! آپ کل ہی جا کر ان لوگوں کو منع کر دیں، اس لئے کہ غریب لوگ، جن کے جوان بیٹے ہوتے ہیں۔ اور تھوڑا بہت کماتے ہیں وہ کسی امیر گھرانے میں تو شادی کر نہیں سکتے ... چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ پھر وہ اپنے برابر والوں ہی کا خون چوسنا شروع کر دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے سماج میں یہ زہر بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے ...؟

"اچھا بھئی ... ہم ہارے اور تم جیتے ... تم تو اچھے خاصے فلسفی ہو گئے ہو ... اب تم آرام کرو .. یہ کہتی ہوئی شاہدہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں۔

.. جون کی ۱۶ تاریخ تھی گرمی اپنے پورے شباب پر تھی ... گرین لاج آج رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ پوری کوٹھی مہمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ڈاکٹر راحیل دولہا بنے اپنے بے تکلف دوستوں کے بیچ میں بیٹھے تھے اور دوسری طرف سرفراز اور صوفیہ نکاح کے مقدس بندھن میں بندھ گئے تھے۔ ہر طرف سے مبارکباد کی دل آفریں صدائیں بلند ہو رہی تھیں ....؟

گرین لاج سے ایک ساتھ دو سجی ہوئی خوشنما کاریں روانہ ہوئیں ... ایک کار میں صوفیہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو رہی تھی جس کی شادی کا سارا انتظام ڈاکٹر راحیل نے خود ہی کیا تھا اور آج اس کو اپنی بہن کی طرح اپنے گھر سے وداع کیا تھا ...... اور دوسری کار میں ڈاکٹر راحیل کی بارات اپنی منزل کو پانے کے لئے روانہ ہوئی ....

.. آج ڈاکٹر راحیل بہت خوش تھے کیونکہ ان کی شرط پوری ہو گئی تھی۔ شادی کا ہر کام نہایت سادگی سے انجام دیا گیا تھا ان کی امی اور پاپا ان کی برابر والی نشست پر بیٹھے تھے اور راحیل کی بہنیں نجمہ عرشیہ، فوزیہ، شازیہ پچھلی نشست پہ بیٹھی آپس میں ہنسی مذاق کر رہی تھیں ..."

شام کے ڈھلتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں راحیل کے چہرے پر پڑ رہی تھیں ... سورج کی سنہری کرنوں میں راحیل کا سہرا جگمگا اٹھا ... جس کو دیکھ کر راحیل کی بہن عرشیہ نے اپنی سریلی [illegible] کا ایک شعر پڑھا ؎

"یہ کس کے روئے نگاریں پہ ابھری تحریریں
خوابوں کے جلوے ہوں جیسے خوابوں کی سنہری تعبیریں"

اور فضا میں ایک ساتھ سب بہنوں کے قہقہے گونج اٹھے ...."

عورت اور ایجادیں

(جمیل احمد فراشخانہ)

ایجاد اور اختراع کے سلسلے میں عورت کی دماغی اور فنی قابلیتیں مرد سے کسی طرح کم نہیں ہیں، ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک تمدنی اور معاشی زندگی میں عورت نے مرد کے ساتھ برابر حصہ لیا ہے دور اول جب مرد شکار اور لوٹ مار کی زندگی بسر کرتا تھا تو عورت گھر میں بیٹھ کر آلات ایجاد کیا کرتی تھی اور ان ہی آلات کے ایجاد کی بنیاد پر انسانی ترقی کا باعث ہوتی رہی۔

ابتدا میں مرد شکار کر کے چمڑا لاتا تھا تو عورت اس کے ملبوس تیار کرتی تھی. اسی نے اون کو کاتا ملبوس کو دھویا اور درختوں کی شاخوں سے مکان اور مٹی سے برتن بنائے۔

ہل کی ایجاد بھی عورت ہی کے فکر و دماغ کا نتیجہ ہے۔ سوت کاتنے کی صنعت ملکۂ چین کی ایجاد ہے جو ۲۴ صدی قبل مسیح پائی جاتی تھی فن مصوری ایک یونانی عورت نے ایجاد کیا جس کا نام "میرا" عطر گلاب ملکۂ نورجہاں کی ایجاد ہے۔

"لاسلکی" ایک عورت کی اختراع ہے جس کا نام اودوسا تھا۔

کون شخص ہے جو میڈم کیوری کے نام سے ناواقف ہوگا جس نے ریڈیم کی دریافت سے طبیعات کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔

فلسفہ و صفر کی بانی صوفیا جرمان کو کون بھلا سکتا ہے جس کی مہارت علوم ریاضیہ میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ آغانیس مصریہ کا حرکت افلاک کو دیکھ کر صحیح صحیح پیشگوئی کرنا اور تھلی کی مشہور عورت اگلانیس کا کسوف و خسوف کے حالات بتا دینا جب کہ مرد بھی علم الافلاک سے زیادہ واقف نہ تھے کوئی معمولی بات نہیں ہے

اسکندر کی مشہور فلاسفر عورت ہیپا تھیا کے علمی کارناموں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں۔ جس نے اسطرلاب ایجاد کیا اور سب سے پہلے علم جبر میں ایک تصنیف ملک کے سامنے پیش کی۔

جرمنی کی تاریخ میں میری کوئیا۔ مارگریٹ کرشن اور میڈم رمکر کو بھی کبھی نہیں بھول سکتے جن کی علمی تصانیف و انکشافات کا ہر شخص کو اعتراف ہے

ترکیب اجرام فلکیہ پر سب سے پہلے جس نے کتاب لکھی وہ سر ولیم ہیجڈ کی بیوی تھی۔

...قائم کرتا

پہلے اسباب سمجھ لیتا

...جو بلا کسی نمایاں ذریعہ کے

...رف کھینچ لے جو بلا ہمارے علم کے ہم

...رت انجذاب پیدا کر دے جو غیر معلوم طریقہ سے ہمیں اپنی ناقابل الفہم لذات سے معمور کر دے جو بلا کسی محبت کے تلطف جو بلا کسی برہان کے لطف و کرم ہو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی پر راز شئے کا حال کوئی کیا لکھ سکتا ہے اگر آج کوئی ان مثالوں کو لے کر بیٹھ جائے جن سے اس جولانگاہ محبت و جمال کا مطالعہ زیادہ قریب سے کیا جا سکتا ہے تو صرف اک ادنیٰ سے فرد کی واردات حیات پر غور و تعمق کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے عمر خضر بھی اک سریع الفنا لمحہ ثابت ہوگا وہ تھک جائے گا اظہار عجز کر دے گا اور گو اس کا فیصلہ یہی ہوگا کہ عورت اک لذت ہے مجسم ایک تسکین ہے متشکل، ایک سحر ہے مرئی ایک نور ہے مادی لیکن اس سے سوال کرو کہ کیوں؟ اور تحیر میں مٹ جانے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دو۔

پھر جو میں نے قدرت خداوندی کے اس جاذب ترین نمونہ کا ان کو اپنے مضمون کا عنوان

...ہوں

ہوئے کہ میں سامنے والی تصویر کو دیکھ ... ہوں اور تاثرات و جذبات دماغ میں منتشر ... چلا جاتا ہوں لیکن قلم لیا اور ہاتھ کانپا اٹھا ٹہلا بیٹھا اور پھر سب پھینک پھانک کر ایک لمبی سانس لے کے کرسی پر گر پڑا۔

بہت دن گذر گئے ہیں کہ میں اسی فکر میں مستغرق رہا ہوں کہ آخر یہ حسن و محبت جس کے اثرات کا خلاصہ ہماری ناکامیوں اور کامرانیوں میں ایک طویل آہ یا اف سے زیادہ نہیں۔ کیوں اس درجہ ہمارے نظام عصبی پر حکمراں ہے لیکن سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ حکمراں ہے اور اس کو حکمراں ہونا چاہیئے۔

متمدن سی متمدن قومیں ہوں یا وحشی سے وحشی، لیکن ان کے جنس کرخت کو ایک حقیقی الفت ایک سچی خوشی ایک اصلی تلطف کی ضرورت ہوتی ہے

بتایا ہے تو اس سے یہ مقصود نہیں کہ میں کسی
سے اس کا دلیا ہونا ثابت کروں گا یوں ... ثابت
روز صبح کو نکلتا ہے اور اس ...
دلیل کا محتاج نہیں، چاند ...
وہ تمام حجتوں سے بے نیاز
کو کوئی نہیں سمجھاتا کہ
سرائی کرنا چاہیئے مگر ہا
اپنی بے چارگی کا اعتراف
میری عین خواہش
اک قوم آگ کو
سر جھکا دیتی ہے ممکن
ممنوع ہو لیکن میری ر
کشی ہے جس سے بہتر طریقہ
کا اور کوئی نہیں ہو سکتا ا
میں نہ تو علم النفس کی بح
نہ فزیالوجی کی کیوں کہ
میں عورت کے نظام ...
یا دماغ کی ساخت کا ...
بلکہ یہ تو مبنیات محبت ہیں ...
ہیں اعترافات ندامت ہیں اس ...
جس کا التفات بھی میرے لئے عین الطاف جس
کا تغافل بھی میرے لئے ایک دنیائے توجہ جس کی
فراموش کاری بھی میرے لئے اک حیات بخش
پیمان ہے اور جس کا صرف عورت ہونا ہی میری
ساری قوتوں کو اپنا طرفدار بنا لینے والا، مجھ کو
مجھ سے چھین لینے والا ہے۔
... راتوں کو خلوت میں بارہا میں نے اس

... تے
... ہا ہوں گا ... ی
... ی ہے تو میرے ...
... ب نظر ... ہے تیتی پر آکر جب ریل میں اک
خم پیدا ہو جاتا ہے تو میں پھڑک جاتا ہوں۔ یہ
سب کیا ہے؟ آپ یقین نہ کریں گے لیکن میں
آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی چیز
میرے دل کو دھڑکا دینے والی نہیں اِلّا جب کہ اس
میں نسائیت ہو اور جب اس عالم کی کسی مادی یا غیر

عورت

مولانا نیاز فتح پوری

خدا معلوم اس سے قبل کتنی بار ارادہ کیا کہ خدا کی اس محترم ترین مخلوق پر کچھ لکھوں لیکن سوائے اس کے جب تک ایسا خیال قائم رہا ایک خاص نوع کا لطف تو ضرور اٹھاتا رہا یہ ہمت کبھی نہ ہوئی کہ کچھ لکھتا اور لکھتا کیا خاک! مضبوط سے مضبوط ارادہ مستحکم خیال لے کر میز کے پاس آیا لیکن عزم نا استوار استقلال مضمحل اور دماغ بے کار ثابت ہوا گھنٹوں ہو گئے کہ میں سامنے والی تصویر کو [illegible] ہوں اور تاثرات وجذبات دماغ میں منتقوش [illegible] چلا جاتا ہوں لیکن قلم لیا اور ہاتھ کانپا اٹھا ٹہلا بیٹھا اور پھر سب پھینک پھانک کر ایک لمبی سانس لے کے کرسی پر گر پڑا۔

بہت دن گذر گئے ہیں کہ میں اسی فکر میں مستغرق رہا ہوں کہ آخر یہ حسن و محبت جس کے اثرات کا خلاصہ ہماری ناکامیوں اور کامرانیوں میں ایک طویل آہ یا اف سے زیادہ نہیں۔ کیوں اس درجہ ہمارے نظام عصبی پر حکمراں ہے لیکن سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ حکمراں ہے اور اس کو حکمراں ہونا چاہیئے۔

متمدن سی متمدن قومیں ہوں یا وحشی سے وحشی، لیکن ان کے جنس کرخت کو ایک حقیقی الفت ایک سچی خوشی ایک اصلی تلطف کی ضرورت ہوتی ہے تو ہمیشہ عورت کا نازک سینہ تلاش کیا جاتا ہے لیکن کیا پہلے اس تلاش کے لئے کوئی دلائل قائم کر لیا ہے؟ کیا کوئی اس جستجو کے پہلے اسباب سمجھ لیتا ہے؟ کوئی نہیں پھر جو بلا کسی نمایاں ذریعہ کے ہم کو اپنی طرف کھینچ لے جو بلا ہمارے علم کے ہم میں قوت انجذاب پیدا کر دے جو غیر معلوم طریقہ سے ہمیں اپنی ناقابل الفہم لذات سے معمور کر دے جو بلا کسی محبت کے تلطف جو بلا کسی برہان کے لطف و کرم ہو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی پر راز شئے کا حال کوئی کیا لکھ سکتا ہے اگر آج کوئی ان مثالوں کو لے کر بیٹھ جائے جن سے اس جولانگاہ محبت و جمال کا مطالعہ زیادہ قریب سے کیا جا سکتا ہے تو صرف اک ادنیٰ سے فرد کی واردات حیات پر غور و تعمق کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے عمر خضر بھی اک سریع الفنا لمحہ ثابت ہو گا وہ تھک جائے گا اظہار عجز کر دے گا اور گو اس کا فیصلہ بھی ہو گا کہ عورت اک لذت ہے مجسم ایک تسکین ہے متشکل، ایک سحر ہے ہر ایک لوزمہ ہے مادی لیکن اس سے سوال کرو کہ کیوں؟ اور تحیر میں مٹ جانے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دو۔

پھر جو میں نے قدرت خداوندی کے اس جاذب ترین نمونہ کمال کو اپنے مضمون کا عنوان

بنایا ہے تو اس سے یہ مقصود نہیں کہ میں کسی کی دلیل سے اس کا دلیبا ہونا ثابت کروں گا کیوں آفتاب روز صبح کو نکلتا ہے اور اس کے طلوع کا اعلان کسی دلیل کا محتاج نہیں، چاند ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور وہ تمام حجتوں سے بے نیاز ہے صبح ہوتی ہے چڑیوں کو کوئی نہیں سمجھاتا کہ تمہیں اس سبب سے نغمہ سرائی کرنا چاہیئے مگر ہاں سرکار حسن کے سامنے اپنی بے چارگی کا اعتراف اپنی بے مائیگی کا اقرار میری عین خواہش ہے

اک قوم آگ کو پوجتی ہے آفتاب کے سامنے سر جھکا دیتی ہے ممکن ہے کہ کسی مذہب میں یہ فعل ممنوع ہو لیکن میری رائے میں یہ اظہار ممنت کشی ہے جس سے بہتر طریقہ التفات ضیا کی شکر گذاری کا اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے آپ اس مضمون میں نہ تو علم النفس کی بحث کہیں پائیں گے اور نہ فزیالوجی کی کیوں کہ یہ بات میرے بس کی نہیں کہ میں عورت کے نظام عصبی، عضلات کی ترکیب یا دماغ کی ساخت کا ذکر کر کے اس کی تحقیر کروں بلکہ یہ تو بینات محبت ہیں حکایات پرستاری ہیں اعترافات ندامت ہیں اس کے حضور میں جس کا التفات بھی میرے لئے عین الطاف جس کا تغافل بھی میرے لئے ایک دنیائے توجہ جس کی فراموش کاری بھی میرے لئے اک حیات بخش پیماں ہے اور جس کا صرف عورت ہونا ہی میری ساری قوتوں کو اپنا طرفدار بنا لینے والا، مجھ کو مجھ سے چھین لینے والا ہے۔

راتوں کو خلوت میں بارہا میں نے اس امر کی کوشش کی کہ میں حسن عورت سے جدا دیکھ سکوں کوئی صورت ایسی فرض کر سکوں جس سے علیحدہ اس کا نظارہ ہو سکے لیکن سوائے اس کے سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ انسانیت ہی نام ہے حسن کا اور جو چیز دنیا میں حسن کا مکمل نمونہ پیش کرتی ہے وہ انسانیت سے خارج نہیں ہے یہاں تک کہ میں فرط استغراق میں ہر ذرہ کو اس کے پرتو سے رنگین پاتا ہوں۔ آپ غالباً مجھے دیوانہ سمجھیں گے اگر میں یہ بتاؤں کہ مجھے ایک کلی کیوں اچھی معلوم ہوتی ہے ایک پھول کی خوشبو سے میں کیوں مست ہو جاتا ہوں؟ شفق کی رنگینی کیوں دل میں کھب کر رہ جاتی ہے؟ یہ نیلگوں آسمان کیوں دل میں سما کر رہ جاتا ہے یہ موجوں کا لوچ مجھے کیوں وارفتہ بنا دیتا ہے نشاخ جھکی ہوئی کیوں بھلی لگتی ہے۔ بہ نسبت پورے چاند کے ہلال میں کیوں زیادہ کشش ہے حتی کہ مذاق طبیعت کی یہ خاص حد کہ مستقیم خطوط کے بجائے منحرف لکیریں ایک سیدھے راستے کے بجائے پر پیچ و خم سڑک زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے کسی چشمہ کی روانی میں جا بجا بل پڑتے ہوں تو میں گھنٹوں اسے دیکھتا رہتا ہوں گاڑی جب سڑک کے موڑ پر گھومتی ہے تو میرے لئے جاذب نظر ہوتی ہے قینچی پر آ کر جب ریل میں اک خم پیدا ہو جاتا ہے تو میں پھڑک جاتا ہوں۔ یہ سب کیا ہے؟ آپ یقین نہ کریں گے لیکن میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی چیز میرے دل کو دھڑکا دینے والی نہیں الا جب کہ اس میں نسائیت ہو اور جب اس عالم کی کسی مادی یا غیر

مادی شے کو دیکھ کر میرا کلیجہ ملتا ہے تو میں اس میں ایک قسم کی نسائیت محسوس کرتا ہوں۔
میں نے اسی ضمن میں اس پر بھی کامل غور کیا کہ ایک عورت اس وجہ سے دل کش ہے کہ اس کے خدوخال نازک اس کی آنکھیں بڑی، اس کا رنگ صاف، اس کی کمر نازک اس کے بال سیاہ طویل ہیں؟ ممکن ہے کہ یہ سب باتیں مل کر اس میں دل کشی پیدا کرتی ہوں، لیکن میں تو سوائے اس کے اور کچھ نہیں سمجھ سکا کہ عورت ہے اور بلا کسی سبب کے وہ سب کچھ ہے۔ میں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ شاید وہ از روئے علم النفس اس وجہ سے ہم میں انجذاب و شوق پیدا کر دیتی ہے کہ ہمیں دیکھ کر وہ فطرتاً چھپ جانے، سمٹ جانے بدن چرا لینے پر مجبور ہے اس میں ایک خاص قسم کا استغنا و غرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان اصولوں سے بالا ان قوائے دماغی کے تقاضائے ادراک سے بھی بہت ارفع و اعلیٰ نظر آئی اور جملہ اصول مادیات جملہ استدلالات علمی بے کار محض ثابت ہوئے۔
مدتیں گذر گئیں زمانہ ہو گیا اور یہ راز بدستور سربستہ رہا ایک شب عزیز اور اس کی بیوی اپنے کمرے میں تھے میں سو رہا تھا اس نے پاندان مانگا۔ عزیز نے سرکا دیا۔ اس نے کھولا۔ دیکھا اور پھر بند کر کے رکھ دیا۔ عزیز نے پوچھا۔ کیوں نہیں کھایا جواب ملا پان ایک ہی تھا پھر تمہیں تکلیف ہوتی تم جیسے کوئی ننگا ہوں کے سامنے سے پردہ اٹھا دے ایک عجیب کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی، میری روح اس لذت محبت سے کانپنے لگی اور میں ایک ایسا علوئے روحانیت اپنے اندر محسوس کرنے لگا کہ اس وقت مجھے ذرہ ذرہ درد محبت سے بیتاب نظر آتا تھا۔
ایک واقعہ اور — آدھی رات سے زیادہ وقت گذر گیا، لیکن ایک نازک دل والی ذرا سے خوف یا اندھیرے میں کانپ اٹھنے والی تنہائی میں بیٹھی ہوئی انتظار کر رہی ہے جی ہی جی میں بگڑ رہی ہے مگر ادھر کوئی آتا ہے اور ادھر یہ سارے گلے شکوے بھول بیٹھتی ہے اور اپنے حد انتظار کے اس منظر سے مسرور ہے کہ شوہر بگڑ بگڑ کر کہہ رہا ہے کہ آخر تم نے کیوں نہ کھانا کھا لیا اور وہ ہے کہ ایک لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلتا دنیا میں کوئی مثال اس سے زیادہ درس انسانیت دینے والی اس سے زیادہ حقیقی کیمیائیت روح مہیا کرنے والی اگر کوئی ہے تو افسوس ہے کہ دنیا اسے نہیں پیش کر سکتی۔
یہ محبت کی خاموش صدا! آہ فرشتے اس نغمہ روا داری کو ہمک کر لینا چاہتے ہیں یہ نرمی ملاطفت آہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم اس سکون کے لئے تڑپ رہا ہے بچہ بیقرار ہے رو رہا ہے ماں آغوش میں بھینچ بھینچ کر سینہ سے لپٹا لپٹا کے منہ چوم چوم کے اپنی ساری قوت محبت سے اسے چپ کرنا چاہتی ہے یہ انہماک محبت یہ استغراق شفقت دنیا کی کسی مخلوق میں دکھا دو ماں ہلا ہلا کر اپنی روح کی پوری توجہ کے ساتھ پوری معصومیت کے ساتھ لوریاں سنا رہی ہے آہستہ آہستہ تھپکیاں دے رہی ہے آہ! آپ محسوس نہ کریں لیکن میں تو اس وقت

[illegible]

دنیا کا ذرہ ذرہ ایک غنودگی پیدا کرتا ہے اب، ہم جوان ہو کر اس رحم کی مقدس دیوی کو بھول گئے یہاں تک کہ اب ایک ننھے سے روتے ہوئے بچے کو دیکھ کر مشکل سے یقین کر سکتے ہیں کہ کبھی ہم بھی ایسے رہے ہوں گے لیکن یاد رکھو کہ یہ واقعات ہیں۔ ہمارے دلوں سے مٹنے کو مٹ جائیں گے لیکن ساری فضائے عالم ان کی شاہد ہے آسمان و زمین کے صفحات ان تذکروں سے مالا مال ہیں حوریں انہیں گا گا کر عدن میں سکون پھیلا رہی ہیں کیا تم بھول گئے کہ تمہاری عمر کے ہر ہر لحظ میں کتنی نورانی تسلیات مرکوز ہیں کتنے مقدس جذبات صرف ہوئے ہیں کیا تم ان احساسات کی وقعت نہیں کرتے؟ ادھر آؤ میری نگاہ سے دیکھو آسمان و زمین کانپ رہے ہیں، عرش لرز رہا ہے دنیا تھرا رہی ہے۔

اے ناشکر گذار کیڑے! تیرے مٹا دینے کے لئے کسی بہانہ کی ضرورت نہیں، مگر وہ سینہ جس کو تو اپنے کفران نعمت سے مجروح کر چکا ہے اب بھی بد دعا دینے کے لئے تیار نہیں وہ ہونٹ جو تیری بے رحمیاں تیری بے اعتنائیاں دیکھ دیکھ کر فرط گریہ سے کانپ رہے ہیں اب بھی گیتی کی ساری نعمتیں تیرے لئے طلب کر رہے ہیں۔

ہمارے جذبات محبت کس درجہ ناقص ہیں تاثرات کا ضبط گو چنداں مشکل نہ ہو، لیکن آنسو کا نکل آنا محبت والی آنکھوں کے اختیار سے باہر ہے دنیا جانتی ہے کہ عورت مصائب برداشت کرنے تکالیف کا مقابلہ کرنے کی اہل اسی وقت سے ہے جب وہ ایک فانی بچہ جنتی ہے اس اہلیت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ محنت و مشقت سے ہاتھ میں پڑ جانے والے چھالوں کو بھی اپنے شوہر سے چھپاتی ہے، محنتیں کرتی ہے اور کوئی اجر نہیں چاہتی لیکن بے اختیار کبھی کسی مرد کے غیر معترفانہ طریق عمل سے متاثر ہو کر اس کا رو دینا اک آنسو آستین یا دامن میں ٹپکا دینا اک غیر متزلزل ثبوت اس کے کمال محبت کا ہے جس سے مرد آشنا نہیں جس طرح عورت اپنے جذبات کو خاموشی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دفن کر سکتی ہے اس طرح وہ اس طوفان گداز کو جو اس کے سینہ میں متلاطم ہے صرف ایک آنسو میں منتقل کر کے دکھا سکتی ہے لیکن کتنے ہیں جو اس آنسو کی وسعت اس مختصر سمندر کے حقیقی بسط سے واقف ہیں

محبت جس پر آفرینش ناز کر سکتی ہے اک ایسا دل ڈھونڈتی ہے جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جانے والا ہے ایسی آنکھوں میں رہنا چاہتی ہے جو ذرا سی بات میں پر نم ہو جانے والی ہوں پھر اے مردو، اپنے دلوں کی مضبوطی پر دل دکھاؤ، اپنی آنکھوں کی خشکی پر آنسو بہاؤ، کیوں کہ محبت جس وقت راتوں کو دروازہ کھٹکھٹاتی ہے کوئی آرام کی جگہ تلاش کرتی ہے تو اے مرد تو اس وقت اپنے نشۂ قوت میں غافل سوتا ہوتا ہے عورت جو تجھے پنکھا جھلتی رہتی ہے جو کھڑے ہو کر اپنے بچے کو سلاتی رہتی ہے دروازہ کھول دیتی ہے اور اسے اپنے سینے میں چھپا لیتی ہے بچہ روتا ہے وہ

بقیہ عورت صفحہ

اس محبت کو اپنے ہونٹوں سے بچے کے اندر منتقل کرتی ہے وہ سوجاتا ہے۔

ہم کشاکشِ زندگی سے پریشان ہو کر پڑ جاتے ہیں وہ محبت سے ہماری خستگی کو سلب کر لیتی ہے ہم سرور رہ جاتے ہیں کیوں؟ ہماری روحی پیاسی اک روحانی شفقت چاہتی ہیں اک ملکوتی نرمی کی طلبگار ہیں اور اس لئے یہ مبہم جستجوئیں آخرکار اس طرف پہنچ جاتی ہیں جدھر انہیں پہنچ جانا چاہیئے کیونکہ عورت ایک روحانیت ہے قابلِ لمس و لذت ہے صاحبِ نطق ایک روشنی ہے جسے ہم چھو سکتے ہیں ایک نکہت ہے جس سے ہم گفتگو کر سکتے ہیں، اک حلاوت ہے جو ہاتھوں سے چکھی جا سکتی ہے، اک موسیقی ہے جو آنکھوں سے سنی جاتی ہے۔

روزہ

روحانی سکون پہنچاتا ہے یہ صحت کے لئے

بہترین علاج بھی ہے

روزہ رکھنا ہر بالغ مرد و عورت پر فرض ہے

رمضان کے مبارک مہینے میں قرآن مجید نازل

ہونا شروع ہوا۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ تلاوت کیجیے

سالِ نو

نجم عسکری

شکوہ گلہ ہے نہ حال سنانے کا وقت ہے
ماضی کی تلخیوں کو بھلانے کا وقت ہے
فکر و عمل کو کام میں لانے کا وقت ہے
مستقبلِ حیات بنانے کا وقت ہے

ہر چند راہِ زیست ہے پرپیچ و پرخطر
تو اپنے قافلے سے بچھڑنے کا غم نہ کر
عزم و یقین رہیں گے اگر تیرے ہم سفر
خود ہی ملے گی منزلِ مقصود کی خبر

ہم تو سمجھ رہے تھے مصیبت کے دن گئے
معلوم یہ ہوا کہ شرافت کے دن گئے
دورِ غرض ہے لطف و عنایت کے دن گئے
اخلاص و التفات و محبت کے دن گئے

قانون کا ہے پاس نہ خوفِ خطا رہا
انسان میں اب نہ جذبۂ مہر و وفا رہا
کردار اور نہ جوہرِ شرم و حیا رہا
اندیشۂ فسادِ دگر جابجا رہا

اے نجم چھوڑیئے نہ کبھی دامنِ امید
ممکن ہے آ ہی جائے کوئی ساعتِ سعید
اٹھ جائے ذہن و قلب سے بارِ شدید
ہر شب براتِ ہو ہر روز عید

نغمۂ وطن

ابوالکوثر بدری

میرے ہندوستاں میرے پیارے وطن

خوشنما وادیاں تیری رشکِ چمن
خوشبوؤں سے معطر ترا پیرہن
ہر نظارے میں رعنائی اور بانکپن
تو بہاروں کی ہے اک حسیں انجمن
میرے ہندوستاں میرے پیارے وطن

تیری بھاشائیں نغمات اور قہقہے
گیت بنگالی، پنجاب کے چٹکلے
جیسے کوئل کی کوکیں پپیہے کی لے
کیفِ حسنِ غزل سے کرتا مگن
میرے ہندوستاں میرے پیارے وطن

ارضِ کشمیر ہے تیری جنت نشاں
تجھ میں گنگ و جمن سے ہیں دریا رواں
چومتا ہے ہمالہ رخِ آسماں
ہند ساگر میں دھلتے ہیں تیرے چرن
میرے ہندوستاں میرے پیارے وطن

پیار کا درش اور بندگی کی زمیں
امن کی مملکت آشتی کی زمیں
نانک اور چشتی و کرشن جی کی زمیں
سورگ ہی سورگ ہے تو زمیں تا گگن
میرے ہندوستاں میرے پیارے وطن

کرشن پہ تیری رادھائیں نازاں ہیں
بانسری کی صداؤں پہ رقصاں ہیں
پریم کی ہر مقدس میں محو خیال رہیں
پیار سے میرا سجا کا تجھے چمن
میرے ہندوستاں میرے پیارے وطن

غزل

ریاض

یاد آتی رہی دل جلاتی رہی رات بھر کروٹیں ہم بدلتے رہے

ایک شعلہ سا تھا دل کے اندر چھپا جو بھڑکتا رہا ہم پگھلتے رہے
شمع جلتی رہی رات ڈھلتی رہی ہم پہ ساقی کی نظرِ عنایت نہ تھی
کوئی جل بجھ گیا کوئی بجھ سا گیا باقی پہلو بہ پہلو بدلتے رہے

بات ان کی کرو جو کہ بے نام ہیں یا جو گمنام ہیں یا جو بدنام ہیں
ان کے قصوں کا کیا پوچھنا ہے بھلا جن کی نسبت سے حالات ڈھلتے رہے

ہم غریبوں کا کیا ہم فقیروں کا کیا ہم کو غربت پہ اپنی بہت ناز ہے
اک عمارت امیری کی گرتی رہی ایک ہم ہیں جو گر کے سنبھلتے رہے
ریاضؔ تم نے تو یہ بات دل کی کہی کتنی سچی کہی گرچہ کڑوی کہی
منہ کو انساں نہیں تم درندے کہو جو کہ چہرے پہ چولا بدلتے رہے

دل میں ارمان تھے کتنے ناداں تھے ہم نہ سمجھا کئے بے خبر سے رہے
گھر جلانے کے پیچھا تو سامان تھے گھر کے اندر ہی اندر جو پلتے رہے

گھریلو ماحول کا انتشار

محمد سعید

زندگی کے کاروبار اتنے پیچیدہ اور اتنے پُراسرار ہیں کہ انہیں ایک نظر میں سمجھ لینا تقریباً ناممکن ہے تاہم یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ زندگی اسباب و علل کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ ان اسباب کو اگر سمجھ لیا جائے تو زندگی کی بہت سی گتھیاں از خود حل ہو جاتی ہیں۔ مگر اسباب کا کھوج لگانا آسان کام نہیں ہے۔ موجودہ دور میں ہر شخص پُرمسرت زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں طمانیت اور سکون عنقا ہے۔ ہم زندگی کو جتنا شاداب اور شگفتہ بنانے کے لئے بڑی بڑی اسکیمیں بناتے ہیں اتنا ہی ہم مسرتوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ اب یہ سوال ہر ذی فہم کے دماغ میں اُبھر رہا ہے۔

مغرب جہاں زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے نت نئے تجربات کئے گئے تھے وہاں کے دانشور اب ان تجربات کے نتائج سے بوکھلا گئے ہیں۔ انہوں نے "نئی زندگی" کے خاکے میں گھر کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا تھا۔ آج کے ماہرینِ نفسیات برسوں کے مطالعے اور مشاہدے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسانی مسرتوں کا اصل مقام گھر ہے گھر ہی سے حقیقی مسرتوں کے سوتے پھوٹتے ہیں اور اسی جگہ سے منفی جذبات بھی پرورش پاتے ہیں جو آگے چل کر پورے خاندان کی زندگی کو وبال بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

ہماری زندگی کی اکثر الجھنیں گھریلو ماحول کے انتشار سے پیدا ہوتی ہیں جب گھر کے تمام افراد بالخصوص والدین اپنے فرائض اور ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا نہیں کرتے تو پورے خاندان کے افراد غیر متوازن زندگی کا شکار ہو جاتے ہیں والدین کا یہ رویہ بچوں میں منفی جذبات پیدا کرتا ہے۔ اور یہ جذبات پوری زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ والدین اپنے غیر محتاط رویے سے بعض اوقات اپنے پیارے بچوں کو بیماریوں کے جہنم میں دھکیل دیتے ہیں اور روپیہ پانی کی طرح بہانے کے باوجود ان کی صحت بحال نہیں ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے خود قاتل ہوتے ہیں۔ خاندان کے مختلف افراد میں منفی جذبات کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ان پر ذرا سی توجہ دی جائے تو بہت سے افراد کی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ سکتی ہیں۔

گھر کیا ہے؟ کیا اس کے ماحول کو تعلیمی اور تربیتی اہمیت حاصل ہے؟ موجودہ دور میں گھریلو نظام کیسے چل رہا ہے؟ ان سوالات کی طرف ماہرینِ نفسیات نے پُرزور الفاظ میں ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کیونکہ معاشرہ جن خرابیوں اور بیماریوں میں جنگل کی آگ کی طرح جس تیز رفتاری سے مبتلا ہو رہا ہے ان کا واحد سبب گھریلو ماحول کی ابتری اور پراگندگی ہے۔ ماہرینِ نفسیات کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک فرد کی تربیت پر سب سے اہم اور ناگزیر اثر گھریلو ماحول ڈالتا ہے اسے اپنے لڑکپن کا زمانہ عالم بے بسی میں گھر میں ہی گذارنا ہوتا ہے۔ اسی عرصہ میں جو ضبط و نظم اس پر عائد کئے جاتے ہیں اسی پر اس کے اندازِ فکر، شخصیتی رجحان اور طرزِ زندگی کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ گھریلو بے تعلق رہتے ہیں۔ ان حالات میں خاندان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے جب ایک بچہ ان حالات سے دوچار ہو تو اس کی شخصیت کی نشوونما رک جاتی ہے۔ اس کی زندگی خشک اور بے مزہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اس کے لئے بے راہ روی کے راستے کھل جاتے ہیں۔

ان مشاہدات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ منفی جذبات کی وجہ سے معاشرہ کن کن خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو رہا ہے۔ چند خوش نصیب گھرانوں کو چھوڑ کر باقی

[illegible]
سے ہیں۔ اگر ہم چاہیں کہ ہمارے گھر میں جذباتی توازن ہو اور یہ ایک تعلیمی اور تربیتی ادارے کی حیثیت اختیار کر جائے تو سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم خود بھی پُرسکون اور خوشگوار بننے کی کوشش کریں اور دوسروں کی مدد کریں کہ وہ بھی پُرسکون زندگی بسر کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے چند باتیں خیال میں رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔

دنیا میں معیارِ زندگی بلند ہوتا جا رہا ہے۔ ہر طرف جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے تگ و دو ہو رہی ہے سر بفلک عمارتیں، بیش قیمت فرنیچر، قیمتی ملبوسات ٹیلی ویژن، ریڈیو سیٹ، کیمرے اور سامانِ تعیش زندگی کے لوازم قرار پا چکے ہیں۔ ہر شخص ان کے حصول میں سرگرداں ہے۔ اس سرگردانی نے انسانی ذہن کی آسودگی چھین لی ہے اور ہر سو اضطراب کی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ معیارِ زندگی کے دلدل سے نجات پانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے زندگی سے لطف اندوز ہونے کا فن سیکھا جائے اس فن کا پہلا اصول یہ ہے کہ زندگی کا معیار اونچا کرنے کی خواہش کو زیادہ تقویت نہ پہنچائی جائے۔ آپ اپنے وسائل پر قناعت کیجئے قناعت آپ کو سکون کی وہ دولت عطا کرے گی جو آپ کو کہیں اور کسی سے نہیں مل سکتی۔

بچوں میں سمجھ بوجھ پیدا ہوتے ہی انھیں یہ بات اچھی طرح سمجھا دی جائے کہ خاندان کا ایک ایک فرد اپنی اپنی ذمہ داریوں کا پورا شعور رکھے۔ ایک دوسرے کے جذبات کا پورا احترام کرنے سے صحیح قسم کا توازن اور انضباط پیدا ہوتا ہے اس کام کا آغاز والدین کی طرف سے ہونا چاہیئے کیونکہ بچے زبانی باتوں کے بجائے عملی زندگی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں گھریلو ماحول اپنے گرد کے معاشرے اور اس کے اثرات سے منقطع نہیں ہوتا بلکہ ایک خاندان دوسرے خاندان سے اس طرح

[illegible]
جس طرح گھریلو ماحول میں ایک فرد پر بحیثیت ذمہ داریاں اور پابندیاں عائد ہوتی ہیں یہ پابندیاں اور ذمہ داریاں ایک بچے کی شخصیت اور اس کی ترقی میں بنیادی پتھر کا حکم رکھتی ہے۔ ان کے اثرات سے بچہ خود غرضانہ حرکات سے نجات پا سکتا ہے۔ اگر ہم ان ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیں اور انسانی بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنے سے گریز کریں تو ہم تمام زندگی میں اپنے تنگ جذبات کے جوہڑ میں سڑ سڑ کر مر جائیں گے اس لئے بچوں کو انسانی خدمات اور محبت کا مال اس زبردست اثر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مشاہدہ کر کے سخت افسوس ہوتا ہے کہ اکثر خاندان اپنے کار منصبی کو بھول چکے ہیں اور اس بے پرواہی کی بدولت تباہی اور بربادی کو دعوت دے رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ہسپتال مریضوں سے کھچا کھچ بھرے رہتے ہیں ماہرین نفسیات و طب کے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان میں سے ۹۹ فیصد مریضوں کے امراض کا سبب وہ منفی جذبات ہیں جو پراگندہ گھریلو ماحول میں متعدی مرض کی طرح ارباب خاندان سے دوسرے افراد کو لگتے ہیں۔ بعض گھروں کے ماحول کا مشاہدہ کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہاں خوشی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ ہر فرد کے چہرے پر مردنی اور بے رونقی جھلکتی ہے۔ ایسا ماحول جذباتی کھنچاؤ اور اس سے پیدا ہونے والی متعدد بیماریوں کو جنم دیتا ہے اگر گھر کے کسی بچے کی طرف سے پکنک پر جانے کی تجویز آتی ہے تو والد یا والدہ طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں۔ والدہ کہتی ہے چھوڑو، پکنک کے خیال کو اگر پکنک پر گئے اور بارش آ گئی تو سارا مزہ کرکرا ہو جائیگا بعض اوقات یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم پڑھتے پڑھاتے تو ہو نہیں اور جب دیکھو تمہیں سیر و تفریح کی سوجھتی ہے وہ بچہ اس قسم کے جوابات سن کر خاموش ہو جاتا ہے اور اس میں مردہ دلی اور

[illegible]
منفی رد عمل ہوتا ہے [illegible] دل کا
کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ جس گھر میں افراد ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتے ہوں اور ہر کام پر روک ٹوک ہوتی ہو۔ منفی جذبات پیدا کرتا ہے۔ عموماً نکتہ چینی کا آغاز والدہ کی طرف سے ہوتا ہے اور باقی تمام حضرات اس کی نقل کرکے تو تو میں میں کو بڑے پیمانہ پر پھیلاتے ہیں۔ اکثر ایسے فقرے سننے میں آتے ہیں "تم بہت بگڑتے جا رہے ہو۔ تمہارے کسی کام میں کوئی سلیقہ نہیں"۔ اس قسم کے فقرے ایک فرد کی زندگی کو بری طرح متاثر کرتے ہیں اور اس میں زندگی کا جوش و خروش ابھرنے نہیں پاتا۔ کئی گھرانوں میں نکتہ چینی صرف سرد جنگ کی سطح تک رہتی ہے جوتے، اینٹیں، لکڑیاں اور دوسرے میزائل ہتھیار بہت کم استعمال ہوتے ہیں صرف ایک دوسرے کو الزامات کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کینہ اور حسد کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے جس کے خلاف یہ سرد جنگ جاری رکھی جاتی ہے وہ بالآخر شدید نوعیت کی ذہنی اور جسمانی عوارض کا شکار ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ ماحول گھر کے بنیادی فرائض کے خلاف ہوتا ہے۔ اس ماحول کی پیداوار کی سب سے بڑی وجہ والدین کی باہمی ناچاقی اور نفرت ہے۔ یہ والدین صرف بچوں ہی کی خاطر گھر کو آباد رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں ورنہ ان کے درمیان محبت کا ذرا سا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کی باہمی نفرت بچوں میں سرایت کر جاتی ہے نتیجے ایک دوسرے سے اس قدر بیزار ہوتے ہیں کہ جس طرح میاں بیوی آپس میں۔ مفہوم ذہن نشین کرایا جائے یہ اصول بچوں کو اس قابل بنا دیں گے کہ وہ دوسروں اور اپنے نقطہ نظر کے درمیان مفاہمت پیدا کر سکیں اور یہی مفاہمت معاشرتی زندگی کا اصلی جوہر ہے۔

[illegible] محبت و اخلاق [illegible] والدین کا [illegible] سب سے ضروری [illegible] گھر کے [illegible] آپس میں محبت و اخلاق سے [illegible] بچے کے ساتھ پیش آئیں [illegible] گھر کے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر بچے آپس میں [illegible] تو والدین کا فرض اولین ہے کہ اسکی لڑائی کو پہلے ہی مرحلے میں ختم کرا دیں۔ گھر کا ماحول خوشگوار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ والدین بچوں کے سامنے محبت خلوص و اخلاق کا عملی نمونہ پیش کریں۔

(گہوارے نشر)

سید اختر علی اختر

پھر زمانے کو حق کی ادا چاہیے

رہبری کے لیے اور کیا چاہیے
[illegible] کی جانب چلو ساتھیو
[illegible] ظالموں کی جانب [illegible]
[illegible] علی میں [illegible]
[illegible] کے بعد کوئی
اہل دنیا سے [illegible] نقوش [illegible]
[illegible] عطا [illegible]
پتھروں کو بھی جس [illegible]
جن کا جہاں میں سہارا نہیں
[illegible] رنگ سے
[illegible] جہاں
[illegible]
[illegible] مرد [illegible]
جس سے راضی رسول خدا ہے [illegible]
[illegible] کو مٹانا ہے اب

سیرت پاک پیغمبر انور کی عطا چاہیے
پھر زمانے کو حق کی ادا چاہیے
کچھ وسیلہ تو اعمال [illegible] چاہیے
اتباع رسول خدا چاہیے
پھر نگاہ شفیع الوریٰ چاہیے
اہل عالم کو وہ معجزہ چاہیے
رحمتوں کا انھیں آسرا چاہیے
ہر اندھیرے کو نور خدا چاہیے
[illegible] چاہیے
مجھ کو رحمت کی [illegible] چاہیے
[illegible] سلسلہ چاہیے
[illegible] چاہیے

بچے نافرمان کیوں ہوتے ہیں

محمد قاسم ہاشمی دہلی

ارشادِ رسول اکرمؐ ہے کہ عمدہ تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں ہے جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے

انگریزی کا ایک مقولہ ہے جو ہاتھ پالنے کو ہلاتے ہیں وہی قوموں کی تشکیل کرتے ہیں یعنی ماں ہی کی ہستی ہے جو اولاد کو بنا بھی سکتی ہے اور بگاڑ بھی سکتی ہے

ہمارا معاشرہ انتہائی طور پر ناخواندگی کا شکار ہے اور مردوں کی بہ نسبت ناخواندہ عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے

تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے وہ بچوں کی صحیح تربیت کرنے کے طریقوں سے بالکل ناواقف ہوتی ہیں۔ والدین کو کم از کم بچوں کی نفسیات کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو ہونی ہی چاہیے کہ کس وقت کن حالات میں اُن کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے۔

بچہ اگر کوئی کام کرتا ہے اور غلط طریقہ اپناتا ہے تو صحیح طریقے کی طرف اس کی رہنمائی کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ فوراً ڈانٹ دیا جھڑک دیا اور اس کی پٹائی کر دی اس طرزِ عمل سے بچہ اس کام کا طریقہ معلوم کرنے کے بجائے ضد کی وجہ سے اسی غلط طریقے پر اس کو بار بار کرتا ہے۔ اولاد کے ساتھ سختی برتی جائے لیکن مناسب موقع پر نہ تو ہر وقت لاڈ پیار کرنا درست ہے اور نہ ہی مار پیٹ کرنا۔

یا پھر اقتصادی بدحالی کی وجہ سے وہ دن بھر گرہستی کے ہر قسم کے کاموں میں اس قدر گھری رہتی ہے کہ اس کو اپنے آپ کا بھی ہوش نہیں ہوتا تو وہ بچوں کی خبرگیری کیونکر کر سکتی ہے۔ بچوں کی تربیت میں ماں کی کمزوریاں ہی ذمہ دار نہیں بلکہ اقتصادی حالات کا بھی بہت اہم کردار ہے۔

باپ دن بھر حصول معاش میں سرگرداں رہتا ہے دن بھر فائلوں میں سر کھپاتا ہے، رکشا چلاتا ہے ٹھیلی ڈھوتا ہے اور جب شام کو گھر واپس آتا ہے تو بہت تھکا ہارا ہوتا ہے۔ بس کھانا کھایا اور سو گیا دیکھ بھال کی اس کو فرصت ہی کہاں دن بھر کی دو پاٹوں کے درمیان پستے پستے اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر جھنجھلاتا ہے طبیعت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا، غصہ بہت جلد آ جاتا ہے، بچہ اگر کوئی ضد یا شرارت کرتا ہے تو وہ فوراً اس پر برس پڑتا ہے اور دو چار چپت رسید کر دیتا ہے۔ دن بھر کی محنت کے بعد تھکی ماندی ماں بھی کچھ اس قسم کا برتاؤ کرتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر ان کو سمجھانے کے بجائے ہر وقت سرزنش ہوتی ہے ہر وقت کی اس ڈانٹ ڈپٹ سے بچہ ڈھیٹ ہو جاتا ہے اور وہ اب کوئی غلطی کرتے وقت جھجھک محسوس نہیں کرتا کیونکہ وہ دو چار چپت سہنے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔

ماں اور باپ دونوں کی طرف سے پیار کے فقدان ہونے کی بدولت بچے کی طبیعت باغی ہو جاتی ہے اور وہ اب ہر معاملہ کو باغیانہ انداز سے سوچنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

اس اقتصادی پس ماندگی کی وجہ سے چھوٹے

بچوں کو جو کہ عمر اسکول جانے کی ہوتی ہے مختلف قسم کے کاموں پر لگا دیا جاتا ہے۔ اور وہ عمر کے اس نازک حصے کو اپنی زندگی بنانے میں صرف کرنے کے بدلے ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر اس عمر میں ان کو صحیح تربیت اور تعلیم ملے تو ان میں سے ڈاکٹر ذاکر حسین، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ، پنڈت نہرو، علامہ اقبال اور کرشن چندر پیدا ہوتے ہیں اور اگر ان کی اس عمر کو ضائع کر دیا جائے تو ان ہی میں سے بڑے بڑے رہزن اور ڈاکو پیدا ہو جاتے ہیں۔

جب بچے کے دماغ میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر باپ بیس روپے روز کما کر لاتا ہے تو میں بھی دو روپے روز کما کر لاتا ہوں۔ اب وہ ذرا بھی ڈانٹ برداشت نہیں کرتا خواہ باپ یا ماں اس کو صحیح تنبیہ کر رہے ہوں۔ مگر وہ اس کو دشمنی تصور کرتا ہے۔ بچہ اگر اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا ہے تو بھی باپ کو اتنی فرصت نہیں کہ وہ اس کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لے سکے اس مشینی دور میں اس کو بھی بالکل مشین کی مانند دن رات کے معمولات کو وضع کرنا ہوتا ہے۔ بچہ کو جب کسی پریشانی میں ماں باپ کی طرف سے پشت پناہی یا رہنمائی نہیں ملتی تو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یہ مشورہ یقیناً خام عقلی اور ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہوتا ہے اس لئے اکثر غلط ہوتا ہے۔

جبکہ ماں باپ کا مشورہ یا حکم ان کی اب تک کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے لیکن بچہ اس کو سمجھ نہیں سکتا اور اس کے خیالات باغی ہو جاتے ہیں۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کے مطابق اولاد اپنے بارے میں زیادہ اچھی طرح سوچ سکتی ہے اور فیصلہ کر سکتی ہے یہ فیصلہ والدین بھی سمجھ رہے ہیں کہ صحیح ہے لیکن دوسرے لوگوں کے کہنے میں آ کر ان کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ اکثر ایسے ہوتے ہیں جو ان بچوں کی بھلائی نہیں چاہتے۔ اور اپنی جائیداد

تعلیمی علمی مقابلہ

شرائط = جو طالب علم مندرجہ ذیل کے تمام سوالات کے جوابات بالکل صحیح بھیجے گا اور ایک اچھا سا لطیفہ بھیجے گا ادارہ پندرھویں صدی انعام میں ایک ڈکشنری یا پین دے گا! –

:- کوئز نمبر ۱ -:

۱- انٹرنیشنل کرکٹ کانفرنس میں کن ملکوں کو ویٹو پاور حاصل ہے؟

۲- مسلمانوں نے پہلا کاغذ کا کارخانہ کہاں قائم کیا تھا؟

۳- زمین کا رقبہ کتنے مربع میل ہے

۴- سورج سے زمین تک روشنی کتنے وقت میں آتی ہے؟

۵- اعشاری نظام کا موجد کون تھا؟

۶- پھولوں میں سب سے زیادہ چمکدار پھول کون سا ہے؟

۷- اسلام کے بانی کون تھے۔ وہ کہاں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد کا نام بھی بتائیے؟

۸- دنیا میں کل کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟

۱۰- ماہنامہ پندرھویں صدی کے مقاصد لکھئے؟

جائیداد بیانی اور شیریں کلامی سے اولاد کے والدین کو ان کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔

یہ سب وجوہ زیادہ تر ناخواندگی کا ثمرہ ہیں اگر والدین تعلیم یافتہ ہوں تو وہ بچپن ہی سے ایسی تربیت کریں کہ بچہ کسی کام کو "نہیں" کہنے کی ہمت اپنے اندر نہ پائے اور والدین کے حکم کو بسر و چشم قبول کر لے

از جناب معین الدین صاحب:

اردو کی تدریس کے مسائل

اردو کی تدریس کے طریقے دوسری زبانوں کی تدریس کے طریقوں سے مختلف تو نہیں ہیں لیکن ان کے مسائل یقیناً دوسری زبانوں کے مسائل سے مختلف ہیں اس لئے کہ ان مسائل کا تعلق ان سماجی اور اقتصادی پہلوؤں سے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اردو اور اردو کی تدریس پر اثر انداز ہوتے ہیں ان اثرات کو نظر انداز کر کے مسائل کی تہہ تک پہونچنا بہت مشکل ہے پھر یہ کہ مسائل یکساں نوعیت نہیں رکھتے ملک کی ہر ایک ریاست ایک مخصوص تہذیبی ورثے کی امین ہے مزید براں تعلیم کی الگ الگ منزلوں پر ان کے مسائل مختلف ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی نوعیت ثانوی تعلیم کی اعلیٰ تعلیم سے مختلف ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ توجہ ثانوی منزل کی طرف درکار ہے کیونکہ سب سے زیادہ کمزوری اور نزاکت اس منزل پر نظر آتی ہے میرے اس مضمون کا تعلق اس منزل سے ہے میں نے صرف ثانوی سطح پر اردو کی تدریس کے مسائل پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ثانوی تعلیم ہر ملک اور قوم کی زندگی میں ایک مخصوص اہمیت رکھتی ہے ملک کی استقامت کا بہت کچھ دار و مدار ثانوی منزل کی پائیداری پر منحصر ہے اس لئے کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کارکنوں کی ایک کثیر تعداد ثانوی منزل سے فراہم کی جاتی ہے اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں بھی توانائی انہیں کے دم سے آتی ہے بدقسمتی سے ہمارے ملک کے تعلیمی ڈھانچے کی سب سے کمزور کڑی یہی ہے اور اس کمزور کڑی میں اردو کی حالت کچھ اور بھی ناپائیدار اور غیر یقینی ہے۔

اردو کے حق میں تمام نامساعد حالات کے باوجود ابتدائی منزل پر شاید اردو کی تعلیم کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے گی اس لئے کہ ابتدائی تعلیم بہت حد تک مقامی ہے۔ سرکاری مدرسوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام نہ سہی مقامی طور پر عوام کی طرف سے اس کا کچھ نہ کچھ انتظام ہوتا رہیگا جو چاہے گا وہ تھوڑا بہت کر ہی لے گا اتر پردیش سے لیکر میسور اور راجستھان تک مختلف علاقوں میں یہ تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے کہ مقامی طور پر مکتب اور مدرسے کھول لے جائیں جن میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہو۔ لہٰذا اس بات کے قوی امکانات نظر آ رہے ہیں کہ ابتدائی منزل پر اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس اعلیٰ منزل پر بھی اردو پڑھنے والے شاید ملتے رہیں اس لئے کہ اتنے بڑے ملک میں ایسے نوجوان یونیورسٹیوں کو دستیاب ہوتے رہیں گے جو محض ایک زبان سیکھنے کے شوق میں تہذیبی ورثے سے لطف اندوز ہونے کے لئے اردو پڑھتے رہیں گے شاید اعلیٰ التعلیم کی پیاس یا سماج میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے کی خواہش یا شاید محض بہتر وقت گزاری کے وسیلے کے تحت یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا اور ان یونیورسٹیوں میں جہاں فارسی عربی فرنچ اور دوسری زبانوں کے شعبے قائم ہوں گے وہاں اردو کا بھی ایک شعبہ قائم رہے گا پنجاب میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے اور نہ ہی پنجاب یونیورسٹی میں اردو کا کوئی شعبہ قائم کیا گیا ہے اس کے باوجود پرائیویٹ طور سے اردو فارسی اور عربی میں ایم اے کرنے کی اجازت ہے غرض تعلیم کی اعلیٰ منزل پر اردو کی تعلیم کا کسی قدر انتظام ہوتا رہے گا۔

لیکن اصل مسئلہ ثانوی منزل کا ہے اس اہم منزل پر جب

ہم اردو کی تعلیم پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو بے حد مایوسی ہوتی ہے صورت حال یہ ہے کہ سرکاری مدرسوں میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے سوائے ان چند اسکولوں کے جو پرائیویٹ اداروں کی حیثیت سے مسلمانوں کی مختلف انجمنوں کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔ اردو کی شکل کہیں دکھائی نہیں دیتی

چونکہ اقتصادی نقطۂ نظر سے اردو کی حیثیت بہت کم ہے۔ اس لئے سماج کا وہ طبقہ جو زیادہ باشعور ہے اور صاحب حیثیت بھی اپنے بچے کو کسی پبلک اسکول میں بھیجنے کی کوشش کرتا ہے جہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہو ان اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے سماج کا وہ طبقہ جو صاحب حیثیت تو نہیں ہے لیکن باشعور ضرور ہے یعنی متوسط طبقہ جو زیادہ مستقبل کے تقاضوں کے تحت بہتے ہوئے دھارے کے ساتھ ہے اس کے لیے چراغوں میں روشنی باقی نہیں رہتی اس طرح ثانوی منزل پر اردو کی تعلیم کے مواقع بہت کم ہے اور آئندہ بھی امکانات نظر نہیں آتے۔

تدریس اردو کے مسائل کو سہولت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک کا تعلق اردو کی تحریک سے ہے اور دوسرے کا اردو کی تدریس سے تحریک کا تعلق ذمہ دار لوگوں سے ہے اور تدریس کا استاد سے۔ طلبا میں اردو پڑھنے کی تحریک پیدا کرنا استاد کے بس میں نہیں ہے اس لئے کہ محرکات اسکول کی چہار دیواری کے باہر سماجی اور اقتصادی قوتوں کے ہاتھ میں ہیں اپنے بچے کو سائنس یا ٹیکنالوجی کی تعلیم دلانے یا کسی ایسی ہی نفع بخش فنی تعلیم اختیار کرانے کے لئے والدین ہر طرح کی قیمت چکانے کو تیار ہیں اس لئے ان مضامین کو منتخب کرانے کے سلسلہ میں استاد کو کسی قسم کی کوشش نہیں کرنی۔ بیرونی یا سماجی اور اقتصادی محرکات اتنے قوی ہیں کہ اسکول [illegible] پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ ہماری تعلیم کا ایک [illegible] سماج کی رہنمائی۔ [illegible]

[illegible] جہاں کہیں بھی اردو کی تعلیم کا انتظام ہے اس کے لئے ایک بہترین تدریس کی بھی ضرورت ہے

ثانوی منزل پر اردو کی تدریس کے اغراض و مقاصد کئے ہیں ان کی روشنی میں ہی ان مسائل کو پیش کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس منزل پر طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ زبان کی بنیادی مہارتیں جنھیں وہ ابتدائی منزل پر سیکھ کر آئے ہیں ان کی مشق کریں ان بنیادی مہارتوں میں لکھنا پڑھنا بولنا اور سمجھنا شامل ہیں اس طرح اس منزل پر طلبا کو زبان پر قدرت حاصل ہونی چاہیئے زبان پر قدرت حاصل کرنے سے مراد ہے کہ طلبا اپنے مافی الضمیر کو سیدھی سادھی زبان میں ادا کر سکیں اور اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو مرتب شکل میں تحریری طور پر پیش کر سکیں۔ اس صلاحیت سے ایک طرف وہ اپنے کاروباری معاملات میں استفادہ کر سکیں گے، اور دوسری طرف اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک بنیاد استوار کر سکیں گے اس کے علاوہ اس منزل پر طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ زبان و ادب کے رشتے سے مانوس ہو سکیں اور ادبی و تہذیبی سرمایہ سے روشناس ہو سکیں اس لئے منزل پر زبان اور ادب کی تدریس کا بہترین انتظام ہونا چاہیئے۔

موجودہ طریقہ تدریس اتنا میکانکی ہے کہ تدریس کے تخلیقی پہلو کا گلا گھونٹ دیتا ہے نثر ہو یا نظم انشا ہو یا قواعد موضوع اور مواد کے لحاظ سے طریقہ تعلیم میں تنوع کی ضرورت ہے یہ مسائل بہت غور طلب ہیں کہ کیا درسی کتاب کے تمام مضامین ایک ہی طرح پڑھائے جائیں یا الگ الگ مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے منفرد طریقہ تدریس درکار ہے۔ کہانی، ڈرامہ، مضمون، انشائیہ، معلوماتی مضامین سب اپنی جگہ ایک متنوع اور منفرد طریقہ تدریس کا [illegible] طریقوں میں بھی [illegible] تنوع کا خیال رکھنا [illegible] طریقہ تعلیم کا مطالبہ کرتی

ہے تو ہم اردو تدریس کو شروع کرنے کے لئے بھی اشارتی بہتر تدریس کے طریقے دریافت کرنے کی ضرورت ہے قواعد کی تدریس کے فرسودہ طریقوں کو جو تعریفیں رٹنے ورٹانے پر مشتمل ہیں خیر باد کہنا ہوگا اس کے علاوہ طلبا میں ایک شستہ ادب کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ایک ادبی فضا کا قیام بھی بہت ضروری ہے اس کام کے لئے شائد مدرسوں میں اردو کلب کا قیام بہت زیادہ مفید اور معاون ثابت ہو۔

موجودہ تدریسی طریقہ ایک کتبی طریقہ تعلیم ہے جس کا بہت کچھ دارومدار رٹنے ورٹانے پر ہے عام طور سے ہمارے مدرسوں میں طریقہ تعلیم کے دو رجحانات پائے جاتے ہیں اگر استاد قدیم روایات کا حامل ہے تو وہ صرف کتاب پڑھاتا رہتا ہے اور اکثر کتاب بھی ڈھنگ سے نہیں پڑھاتا دوسری طرف اگر استاد نئی روشنی کا دلدادہ ہے تو نفسیاتی نزاکتوں کی تابعداری میں ہی لگا رہتا ہے درس وتدریس کا عمل ایک پیچیدہ عمل ہے۔ اگر ایک طرف یہ ایک فن ہے تو دوسری طرف ایک سائنس بھی اگر ایک طرف اس عمل میں جذبات کا دخل ہے اور اس کا تعلق انسانی رویوں اور انسانی اقدار سے ہے تو دوسری طرف ایک سوچے سمجھے تربیتی پہلو سے بھی ہے غرض تدریسی عمل اگر ایک طرف فطری عمل ہے تو دوسری طرف اکتسابی عمل بھی ہے اس لئے ان دونوں کی خوشگوار آمیزش سے ہی اچھی تدریس کی صورت پیدا ہو سکتی ہے ذوق و شوق بھی چاہیے اور مشق اور مہارت بھی۔

اچھی تدریس کے لئے ضروری کہ استاد اپنے مضمون سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ اگر استاد مسلسل اپنے علم کو تازہ نہ کرتا رہے گا تو اس کا تخلیقی سوتا خشک ہو جائیگا

اردو کے اساتذہ کو اپنے مضمون سے دلچسپی ہونا۔ تدریس کی پہلی شرط ہے جب تک معلم خود مضمون سے دلچسپی نہ لے گا وہ اپنے طالب علموں میں شوق نہیں پیدا کر سکتا۔ ایک اچھی تدریس طالب علم کو مضمون سے بددل کر سکتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ استاد میں یہ سب خوبیاں موجود ہوں اور وہ بہتر ڈھنگ سے پڑھائے بھی۔ لیکن اس کو صلہ کیا ملتا ہے مدرسوں کے اساتذہ عام طور سے اور اردو کے اساتذہ خاص طور سے ایک احساس کمتری کا شکار ہیں یہ احساس کمتری بڑی حد تک حق بجانب ہے۔ لیکن درس وتدریس کے کام میں ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اس لئے اس بات کی اشد ضرورت بھی ہے کہ اردو کے اساتذہ کا احساس کمتری دور کیا جائے تاکہ درس و تدریس کے لئے ایک بہتر فضا تیار ہو سکے یہاں جذبہ کی حرارت ہی کام آسکتی ہے اردو سے حکومت کی بے توجہی کا اگر ازالہ ہو سکتا ہے تو اسی طرح۔ اردو کے اساتذہ میں شوق اور ولولہ پیدا کرنے اور اردو کی تدریس کو سدھارنے کے لئے بہت سی صورتیں پیش کی جا سکتی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) طریقہ تعلیم پر ریسرچ کا انتظام کرایا جائے تاکہ طریقہ تعلیم کو سدھارا جا سکے ریسرچ کے چند موضوعات یہ ہو سکتے ہیں۔

— مخصوص جماعت کے مطالعہ کی کیا رفتار ہے۔ مطالعہ کی رفتار میں اضافہ کرانے کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں۔

— تلفظ اور املا کی معیار بندی کرائی جائے تاکہ اس کا اختلاف بہت حد تک دور کیا جا سکے اور ہر جگہ کے لئے یکساں معیار فراہم ہو سکے۔

جدید تحقیقات کی بنیاد پر درجہ وار درسی کتابیں تیار کرائی جائیں۔

(۲) اساتذہ کو تدریس کے لئے رجحانات اور میلانات سے باخبر رکھا جائے اور نئی تحریکات سے مستفید کرایا جائے مثلاً امتحان اور جانچ کے جدید طریقوں کو عمل میں لانے کیلئے معروضی جانچ کے پرچے تیار کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے ان ضرورتوں کے پیش نظر اساتذہ کے لئے مختصر اعادی نصاب اور توسیعی پروگرام کا انتظام کیا جائے۔

(۳) یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسی معلومات فراہم کی

جائیں کہ کن کن مدرسوں میں اردو [illegible] کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے اور ان مدرسوں میں پڑھانے والے اساتذہ کی تعداد اور ان کی استعداد [illegible] ہے اس نوعیت کی چند اور باتوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کام مرکزی یا ریاستی حکومتوں کے حلقۂ عمل میں آتے ہیں لیکن یہ حکومتیں سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر اردو کی ترویج و اشاعت سے چشم پوشی کرتی ہیں وہ اگر کچھ کام کرتی بھی ہیں تو برائے نام اس لئے حکومتوں کے ذریعے یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ ہاں ایک دو ریاستی حکومتیں ایسی ضرور ہیں جہاں اردو سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے ان ریاستی حکومتوں سے توقع کی جاتی ہے کہ اردو کی تدریس و اشاعت کے لیے ان مسائل پر غور کریں گی۔ ان کے علاوہ طریقۂ تعلیم پر ریسرچ کرنے کے سلسلے میں خاص طور سے ان اداروں پر بھی ذمہ داری آتی ہے جہاں اس طرح کے کام کی روایت رہی ہے ان کی کارگزاری سے یقین ہوتا ہے کہ ان کے پاس تجربہ بھی ہے اور حوصلہ بھی لہٰذا اس وقت انہیں کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں

بقیہ: مسلمانوں کی پسماندگی

شعبہ میں اسی کاروبار میں ایک تعلیم یافتہ شخص جس قدر [illegible] کر سکتا ہے یا اپنی تعلیم سے اس میں ترقی و توسیع کی راہیں نکال سکتا ہے۔ اس سے وہ زندگی بھر کے لئے محروم سے ہو جاتے ہیں۔ بالآخر ان کی زندگی کی مجموعی ترقی اور مجموعی کامیابی محدود ہو کے رہ جاتی ہے جس کا اثر ساری ملت پر بھی پڑتا ہے

اب وقت آچکا ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح اور دائروں میں انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ہم کو ترقی کرتے ہوئے کامیابی حاصل کرنے کے لئے ایک اور ہمدردی کے جذبے کی جوت جلاتے ہوئے علم و ہنر کی قندیلیں روشن کر کے زمانہ کی [illegible] اور تاریکیوں پر قابو پاتے ہوئے بڑی ہوشمندی سے مسلسل آگے بڑھنا ہوگا۔

ایجادات

ایجاد	موجد	سنہ
ڈائنامو	مائیکل فراڈے	۱۸۳۱ء
ڈیزل انجن	روڈولف ڈیزل	۱۸۹۷
ریلوے انجن	اسٹیفنسن	۱۸۱۴
فاؤنٹین پین	واٹرمین	"
گراموفون	ایڈیسن	"
ہیلی کوپٹر	— بریے کوئٹ	۱۹۰۹
لفٹ	اوٹس	۱۸۵۲
لائف بوٹ	ہنری گریتھڈ	"
مشین گن	ڈاکٹر گیٹلنگ	۱۸۱۶
مائکروفون	برلائنر	"
مائکرواسکوپ	جینسن (امپروڈ گلیلو)	"
موشن پکچر مشین	ایڈیسن (کنفوسس ریلدا)	۱۸۹۳
موٹر کار	ڈیملر	"
پرنٹنگ پریس	کیکسٹن	"
ٹائر	ڈنلپ	"
راڈار	سر رابرٹ واٹسن واٹ	"
ریوالور	کولٹ	"
ریڈیو ٹیلیفون	لی ڈی فورسیٹ	۱۹۰۶
ریڈیو ٹرانسمیٹر	الیگزینڈرسن	۱۹۱۴
سلائی مشین	الیس ہاؤ	"
سب میرین	بشنیل	"
اسٹیم بوٹ	فلٹن	۱۸۰۷
سیفٹی لیمپ	[illegible]	۱۸۱۶

اسلام نے یورپ کیا دیا

مغرب پر اسلامی علوم اور تہذیب کے اثرات

ماخوذ از الثقافتہ العربیہ)

زیر نظر مضمون الثقافتہ العربیہ، سے ماخوذ ہے یہ جریدہ متحدہ عرب امارت سے شائع ہوتا ہے اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے علوم و فنون کے ذریعہ کس طرح یورپ کو مالامال کر دیا ہے اور مغربی دنیا اسلامی تہذیب سے کس طرح متاثر ہوئی ہے ہمیں اُمید ہے کہ یہ پُر از معلومات مضمون پندرھویں صدی کے قارئین بڑی دلچسپی سے پڑھیں گے۔

آج علمی حلقوں میں یہ سوال دلچسپی اور غور و فکر کا محور بنا ہوا ہے کہ اسلامی تہذیب نے مغربی تہذیب کو کیا دیا؟

مسلمانوں کے دورِ اقتدار کا زوال پندرھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا تھا اس زمانے میں مغربی قومیں متعدد مسلم ممالک پر قابض اور مسلط ہو گئی تھیں اور انہوں نے اپنی سیاسی ضرورتوں کے ماتحت ایک طرف تو اسلام اور اسلامی تہذیب کو مسخ شدہ اور مکروہ شکل میں پیش کرنے کی ایک منظم مہم شروع کر دی تھی اور دوسری طرف انہوں نے لوگوں کو اس بات کا موقع بھی نہیں دیا تھا کہ وہ غیر جانبداری اور بے تعصبی کے ساتھ مغربی تہذیب پر اسلامی اثرات کا مطالعہ کر سکے۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط سے یہ صورت حال تبدیل ہوتی رہی ہے اور مغرب کے علمی حلقوں میں اسلامی تہذیب کے مطالعہ کا احساس بڑھتا جا رہا ہے اور اس مطالعہ کی بدولت یہ تاریخی حقیقت روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ اسلامی تہذیب ہر گوشے اور شعبے میں مغربی تہذیب کے معاون و مددگار رہی ہے

اس تاریخی حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ مسلمانوں کو کئی صدیوں تک قوموں کی برادری میں ایک امتیازی مقام حاصل رہا ہے اور دورِ وسطیٰ میں جبکہ بازنطینی اور رومی تہذیبوں کے چند دھندلے سے نقوش کے علاوہ قدیم تہذیبوں کا کوئی نشان باقی نہیں رہا تھا صرف اسلامی تہذیب ہی روشنی کے مینار کی طرح انسان کی رہنمائی کر رہی تھی اسلامی تہذیب بارھویں صدی عیسوی میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی تھی اور اسی زمانے میں صدیوں کے بعد یورپ میں بھی بیداری شروع ہوئی تھی۔ لیکن اس کی اس بیداری کو قدرتی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یورپ اسلامی تہذیب ہی کے زیر اثر بیدار ہوا تھا چنانچہ بہت سے مغربی مورخوں نے، مفکروں اور محققوں نے لکھا ہے کہ اس بیداری میں "مسلمانوں کی کاوشوں اور تحریروں کے تراجم صلیبی جنگوں کی بدولت مسلمانوں کے ساتھ یورپ کے باشندوں کے تعلقات اور یورپ میں مسلم ہسپانیہ کے وجود کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور اگر یورپ کے باشندے ان ذرائع کی مدد سے اسلامی تہذیب کی عظمت اور افادیت سے واقف نہ ہوئے ہوتے تو شاید وہ آنے والی کئی صدیوں تک بھی بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔

مثال کے طور پر سائنس ہی کو لے لیجئے یہ ایک وسیع

علم ہے اور آج پوری مغربی تہذیب سائنس ... منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن تاریخی ثبوت کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس موضوع علم میں یورپ والوں نے مسلمانوں کی تحقیقات اور دریافتوں سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

مسلمان علماء اور مفکرین نے شروع ہی سے علم کے معاملہ میں تعصب اور تنگ نظری سے اجتناب کو اپنا شیوہ قرار دیا تھا۔ انہوں نے ماضی کے مدفون علمی خزانے کو برآمد کر کے اُن کو علمی کسوٹی پر پرکھا تھا انہوں نے ان علمی خزانوں کے گرانقدر سرمایہ کو محفوظ کیا تھا اور خود اپنی پیدا کردہ علمی دولت کو ان کے ساتھ ساتھ شامل کر کے ان خزانوں کے دروازے سب پر کھول دیئے تھے مسلمانوں نے تاریخ آثار قدیمہ، طب، کیمسٹری، ریاضی ہیئت یعنی فلکیات اور فلسفہ جیسے کارآمد اور اہم علوم میں سے بعض کی بنیاد خود قائم کی تھی اور دوسرے علوم میں اتنی زیادہ ترقی کی تھی کہ ان کے قائم کئے ہوئے بہت سے اصول اور نظریات آج بھی اپنی جگہ قائم ہیں اور مغرب میں ان علوم کی ترقی مسلمانوں کی ہی رکھی ہوئی بنیادوں پر ہوئی ہے۔

طب اور کیمیا اس عہد کے بڑے علوم میں شامل کئے جاتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان علوم کو مسلمانوں ہی نے مدون اور مرتب کیا تھا اور انہوں نے ان میں ترقی کی تھی کہ دور وسطیٰ میں حاذق اطباء صرف مسلمانوں ہی میں ملتے تھے ایسے مسلمان اطباء کی فہرست بہت طویل ہے جو مشرق اور مغرب میں مشہور تھے اور اس فہرست میں ان ہستیوں کے نام بھی ہیں جنہیں اس عہد میں نہیں بلکہ آج تک عزت و احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے مثال کے طور پر ابوبکر رازی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ دسویں صدی کے وسط میں تھے اور مغرب میں آج بھی انہیں ان کے عہد کا سب سے بڑا طبیب اور کیمسٹ تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے نسوانی امراض اور آشوب چشم کے عمل جراحی

... کی تھی اور ان امور میں آج بھی ان کی تحقیقات کے نتائج سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے رازی کی تصانیف کے تراجم ابتداء میں لاطینی زبان میں ہوئے تھے اور اس کے بعد لاطینی سے یورپ کی تمام زبانوں میں ان کے تراجم کئے گئے تھے اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کا تمام طبی نظام رازی ہی کے نظریات پر مبنی رہا۔ لیکن اٹھارھویں صدی کے بعد جب تحقیقات کا میدان جب زیادہ وسیع ہو گیا تو کیمسٹری کی معلومات پر نئے نئے اضافے ہوتے چلے گئے اس کے باوجود اس مسلم طبیب اور مفکر کی تحقیقات کے نتائج میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

اس سلسلہ میں علی ابن سینا کا ذکر بھی کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ابن سینا گیارھویں صدی میں تھے اُن کی علمی صلاحیتوں کے متعلق "ہسٹری آف سائنس" کے مصنف پروفیسر سارٹن نے لکھا ہے، "کہ وہ تمام اداروں کے اور تمام ملکوں اور قوموں کے عظیم ترین طبیب تھے، لیکن ابن سینا طبیب ہی نہیں بلکہ زبردست فلسفی، ریاضی داں، ماہر فلکیات اور قاموسی یعنی عالم لغات بھی تھے۔ انہوں نے ان علوم پر زبردست بہت سے کتابچے لکھے تھے لیکن علم طب پر ان کی کتاب "القانون" گراں قدر سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی لاطینی زبان میں ہوا تھا۔ اور بعد یورپ کی تمام زبانوں میں اسے منتقل کیا گیا تھا۔ آج بھی "القانون" کو قدیم علم طب میں اہم مقام حاصل ہے"۔

اسی طرح بارہویں صدی میں ابن رشد کی تصانیف اور علمی نظریات سے اہل یورپ نے بہت زیادہ مقالے سپرد قلم کئے ہیں۔ تیس سے زیادہ فلسفہ کی کتب بھی تصنیف کی ہیں۔ طب میں ان کی کتاب "الکلیات" کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

امریکہ کے مشہور مصنف جان ولیم ڈریپر کا بیان ہے کہ اٹلی، جرمنی اور انگلستان میں ابن رشد کا فلسفہ

انٹرویو: نمبر ۲

آل انڈیا سیمنار

مسلم تعلیمی اداروں کے مسائل

از
سجاد احمد صمدانی
پنجاب

دہلی میں ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نے ۱۵ رمئی ۱۹۸۲ء کو مسلم تعلیمی اداروں کے مسائل پر ایک کل ہند کانفرنس کا انعقاد کیا اس میں دہلی کے علاوہ ملک کے اکثر صوبوں کے ماہرین تعلیم اور دانشوروں نے شرکت کی پنجاب سے مسلم ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے بانی و سکریٹری جناب محمد اقبال صاحب نے بطور ڈیلیگیٹ اس کانفرنس میں شرکت کی پنجاب کے لئے اقبال صاحب کسی تعرف کے محتاج نہیں۔ کافی عرصہ تک درس وتدریس کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ اس کانفرنس کے بارے میں ان کے تاثرات قارئین کے لئے مفید ثابت ہوں گے

سجاد احمد صمدانی

سجاد :- اقبال صاحب کیا ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام دہلی میں منعقدہ سیمینار کو آل انڈیا سیمینار کہنا درست ہے؟

اقبال صاحب :- جی ہاں بالکل درست ہے اس سیمینار میں شمال سے لے کر جنوب تک کے تعلیمی اداروں کے ذمہ دار اور ماہرین تعلیم نے شرکت کی اس طرح یہ ایک نمائندہ کانفرنس تھی جس میں راجستھان پنجاب مدھیہ پردیش بہار - کرناٹک - مہاراشٹر کیرالا - تامل ناڈو سے آئے ہوئے ۲۸ مندوبین شریک ہوئے ان کے علاوہ دہلی کے ممتاز ماہرین تعلیم اور مقامی اسکولوں اور کالجوں کے پرنسپل صاحبان اور اساتذہ شریک ہوئے ان کے علاوہ ماہنامہ پندرہویں صدی کے اعزازی نگراں بھی بطور خاص موجود تھے۔

س :- سجاد :- اقبال صاحب یہ سیمینار ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوا - ہمیں یہ بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیے کہ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے مقاصد کیا ہیں؟

جواب :- اقبال صاحب ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے قیام کے دو مقاصد ہیں۔ (۱) ہندوستانی معاشرے کے کمزور طبقوں خصوصاً مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینا اور کردار کی تخلیق کرنا۔ (۲) سماجی - تعلیمی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنا ہے تاکہ ہندوستان کی تعمیر میں مسلمان بھی تعلیم یافتہ ہوکر برابر کے حصہ دار بنیں

س :- جناب اقبال صاحب براہ کرم یہ بھی بتائیں کہ اس سیمینار میں کن کن ماہرین تعلیم نے کن کن موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

(ج) :- اس سیمینار میں تقریباً تمام مندوبین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کچھ لوگوں نے مقالے پڑھے اور بعض حضرات نے اپنے علاقوں اور صوبوں کے حالات بتاتے ہوئے مسلمانوں کی عام تعلیمی پستی کا اظہار کیا ان میں مس صفیہ سلطانہ نقوی پرنسپل آل احمد گرلز انٹر کالج امروہہ۔ محترمہ شاہین پرنسپل ایوب گرلز ہائی اسکول پٹنہ مسٹر اسحاق پرنسپل اسحاقیہ ہائر سکنڈری اسکول جے پور ڈاکٹر محمد آصف سکریٹری مسلم ہائی اسکول جے پور مسٹر انصاری وائس پریذیڈنٹ مسلم مانبر (؟) اسکولز بمبئی (مہاراشٹر) پروفیسر حکیم بھیو سوسائٹی مدراس

سید شہاب الدین سنبھم صاحب۔ جناب سید صداقت پیرا اعزازی سکریٹری الامین ایجوکیشن سوسائٹی بنگلور نے مختلف مسائل پر اظہار خیال کیا۔ ان کے علاوہ مظہر الاسلام اسکول کے پرنسپل جناب مشکور علی صدیقی وائس پریذیڈنٹ پرنسپل فورم ایڈیڈ اسکول دہلی اور جناب راؤ شمشاد صاحب پرنسپل اینگلو عربک اسکول دہلی نے خیال افروز مقالے پڑھے ان کے علاوہ جناب شہاب الدین دسنوی صاحب جناب سید شمیم شاہ صاحب جناب اوصاف علی صاحب اور پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جناب ابو الفیض صاحب سحر جو اس سیمینار کے روح رواں تھے روشنی ڈالی

س:۔ براہ کرم مختصر طور پر یہ بتلایئے کہ اس سیمینار اردو اوائل سے متعلق کونسے مسائل زیر بحث رہے

(ا):۔ اس سیمینار میں مختلف قسم کے مسائل زیر بحث رہے مثلاً یہ مسئلہ کہ مسلمانوں میں تعلیمی ذوق اور رجحان کی کمی کے کیا اسباب ہیں مسلم اسکولوں کے معیار تعلیم کو کس طرح بلند کیا جا سکتا ہے۔ اردو اسکولوں کے درسی اور انتظامی مسائل کیا ہیں۔ اساتذہ اور طلباء اور والدین کے درمیان حقیقی تعلق کیسے پیدا کیا جائے اور مسلمانوں میں سائنسی اور فنی تعلیم کو کس طرح فروغ دیا جائے۔ مسز سلطانہ نقوی نے ہماری جہالت اور تعلیم کی کمی کو ہماری سماجی، پسماندگی کا سبب قرار دیا۔ پروفیسر حکیم ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائرکٹر گجرات نے معاشی مسائل پر روشنی ڈالی، جناب راؤ شمشاد علی خاں صاحب نے طلباء کے اسلامی کردار پر زور دیا۔ مظہر الاسلام اسکول دہلی کے پرنسپل جناب مشکور علی صدیقی صاحب نے ہندوستان کے اردو اسکولوں کے مسائل کو جامع اور بھرپور انداز میں حاضرین کے سامنے پیش کیا اور بتایا انگلش میڈیم اسکولوں کے قیام اور انگلش ذریعہ تعلیم کو اپنانے کا رجحان ہماری ملی زندگی کے لئے نہ صرف تباہ کن ہے بلکہ بڑی حد تک خطرناک بھی

موصوف نے مزید بتایا کہ جب تک ہم اپنی زبان اور تہذیب کی حفاظت اور فروغ کے لئے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اس وقت تک ہماری ملی زندگی باوقار نہیں بن سکتی۔ اس کے علاوہ موصوف نے حاضرین کے سامنے ایک اچھی تجویز یہ بھی رکھی کہ ہمیں اردو میڈیم اسکولوں کو ماڈل اسکول بنانے پر زور دینا چاہیے جتنا کہ انگلش میڈیم اسکولوں کے قیام اور استحکام پر زور دیا جاتا ہے اگر یہ تمام کوششیں اردو میڈیم اسکولوں پر صرف کی جائیں تو یہ ادارے بھی اسی طرح بہتر نتائج پیش کر سکتے ہیں جس طرح کہ انگلش میڈیم اسکول۔

س:۔ پنجاب کے اسکولوں کے حالات کو سدھارنے کے لئے آپ نے کیا تجویز پیش کی ہیں؟

ا:۔ پنجاب کے پورے علاقے میں مسلم تعلیمی اداروں کی بیحد کمی ہے جن کی تعداد پورے پنجاب میں صرف دو ہے۔ ہم سب کو مل کر کوشش کرنی چاہیے کہ پنجاب وقف بورڈ کو اس بات کے لئے آمادہ کیا جائے کہ وہ پنجاب میں مسلم تعلیمی اداروں کا قیام اور ان کے فروغ میں بھرپور تعاون کرے اور نئے ادارے کھولے۔

عوام کو بھی چاہیے کہ وہ سرکاری سطح پر اردو ذریعۂ تعلیم کے اسکول کھولنے کے لئے سرکار کو آمادہ کرے۔

س:۔ جناب حکیم عبدالحمید صاحب جو اس تحریک کے بانی ہیں ان کے تاثرات کیا رہے؟

ا:۔ حکیم صاحب بہت ہی کم گو سنجیدہ اور متحمل مزاج انسان ہیں کافی وقت انہوں نے ہمارے ساتھ گزارا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلم قوم کی تعلیمی پستی کو دور کرنے کے لئے بےچین ہیں، نہ صرف مسلم قوم بلکہ ملک کے ہر شہری کو تعلیم یافتہ اور ایک اچھا انسان دیکھنا چاہتے ہیں۔

پریمیر اینڈ سسٹرز

گھر میں استعمال ہونے والی

سب سے زیادہ ضرورت کی چیزیں تیار کرتی ہے

مضبوط اور پائیدار

سوتی نواڑ، گول چپٹا ناڑا ٹیپ اسٹو کی گول بہترین بتیاں

بناتی ہے

آپ بھی فائدہ اٹھایئے

پتہ

پریمیر اینڈ سسٹرز ۲۰ گلی ۱۱ جعفرآباد دہلی۔ فون ۲۱۲۱۴۸

سوال آپ کا — جواب ہمارا

سوال:۔ ہندوستان میں بہت سی مسلم تنظیمیں ہیں لیکن ان میں اتنا اختلاف ہے کہ تعمیری کام نہیں ہوتے کیا ان اختلافات کا حقیقی سبب معلوم ہوسکتا ہے۔

رحمت اللہ بدایوں

جواب:۔ رحمت صاحب شاید آپکو معلوم نہیں کہ یہ اختلاف صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں اختلافات کے بادل چھائے ہوئے ہیں ورنہ اسرائیل جیسی معمولی طاقت پورے عالم عرب کو بدنام کرسکتی تھی ان کی مذہب سے دوری۔ عیش و عشرت اور بے نیازی نے ان کے سروں کو جھکا دیا ہے۔ یہی حال ہندوستان میں بھی ہے۔ اقتدار کی بھوک۔ خود غرضی خدا سے بے خوفی اور خدا کے علاوہ دوسروں سے سہارا چاہنا پوری مسلم قوم کو تباہ کئے بیٹھے ہے۔ کسی بھی مسئلہ میں یہ جماعتیں ایک دوسرے سے اتفاق رائے نہیں رکھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان تعلیم میں پس ماندہ ہے، تجارت میں پیچھے ہے اور صنعت و حرفت میں مہارت رکھنے کے باوجود بھوکا سوتا ہے۔ ننگا رہتا ہے اور شہر کی جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرتا ہے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں سڑکوں پر زندگی بسر کرتا ہے

سوال:۔ ہجرت کسے کہتے ہیں حضور انور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کیوں کی۔

اکرم رامپور

جواب:۔

جواب:۔ اکرم میاں آپ کا سوال بہت پیارا ہے غیر مسلم بھی اس سوال کا جواب معلوم کرتے ہیں۔ "اپنے وطن عزیز کو کسی مجبوری یا کسی مقصد کے لئے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونے کو ہجرت کہتے ہیں۔ اسلام کے حسن کو تقویت دینے اور اسے پیدا کرنے کی غرض سے خدا کے حکم سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور پھر دوبارہ مکہ فتح کرکے اسلام کا بول بالا کیا۔

سوال:۔ مسلمانوں میں تعلیمی ذوق و شوق کی بیحد کمی ہے کیا اس کا سبب ان کی اقتصادی بدحالی ہوسکتی ہے

انعام الرحمٰن خاں بمبئی ۱۱

جواب:۔ بھائی انعام صاحب بمبئی میں تو مسلمانوں میں تعلیمی ذوق و شوق کافی پایا جاتا ہے۔ جنوبی ہندوستان قابل مبارکباد ہے۔ لیکن آپ کا خیال ٹھیک ہی ہے کیونکہ بمقابلتہً مسلمان تعلیم میں پسماندہ ہے۔ یہ پسماندگی وسطی ہند اور شمالی ہند میں بہت زیادہ ہے۔ مشرقی ہند بھی قابل افسوس ہے۔ اس کی اصلی وجہ تو معاشی بدحالی نہیں کہی جاسکتی۔ ہاں ایک سبب ضرور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں غیر مسلم بھائی بھی غریب ہیں اور ایک بڑی تعداد ایسی غریب ہے جیسے مسلم قوم میں غریب ملتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ جب غیر مسلم بھائی دنیا کے دکھ سکھ جھیل کر اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسے چھوٹے بڑے کاروبار میں بھی ٹریننگ دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا بچہ کامیاب ہوتا ہے اور اسکی خوشی کا سبب بنتا ہے۔ اس کے برخلاف مسلمان دکھاوے پر خرچ کرتا ہے۔ بچت کا کوئی سوال نہیں کام سے زیادہ خالی وقت یا ردی مشغول میں گذارتا ہے۔ بچوں کی تعلیم کا اس کے ذہن میں خیال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا بچہ کس کلاس میں ہے۔ کم پڑھے لکھے کی وہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے دنیا بھر کی سیاست پر تبصرہ کرتا ہے لیکن بچے کی تعلیم

بہرتو جہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا آخری جملہ یہ ہوتا ہے "مقدر میں ہوگا تو پڑھ لے گا" علامہ اقبال نے ایسے ہی افراد کے لئے کہا تھا ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

سوال: ہندوستان کی ہر قوم میں تعلیمی ذوق و شوق بڑھا ہے لیکن مسلمانوں میں یہ ذوق کم ہوتا جا رہا ہے اگر ہے بھی تو اتنا کہ اتنا پڑھے کہ کام چلا سکے آپ کی نظر میں اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں۔

سید افضل حسین پٹنہ

جواب: قابل مبارکباد ہیں آپ افضل صاحب آپ کے دل میں مسلمانوں کی تعلیمی بدحالی کا خیال آیا تو سہی ورنہ جمود طاری ہے۔ دیگر قومیں تعلیم کو زندگی کا سرمایہ سمجھتی ہیں کیونکہ اس سے انہیں تجارت میں، ملازمت میں اور صنعت و حرفت میں بھی روشنی ملتی ہے بچے کو تعلیم حاصل کرانے کی وجہ سے وہ سب کچھ قربان کر سکتے ہیں اس لئے ان میں ذوق روز بروز بڑھ رہا ہے مسلمان تعلیم کو ایک معمولی خوبی سمجھتا ہے کہ اگر ہو سکے تو وہ پڑھا لکھا کہلائے نہ پڑھے تب بھی صبر و تحمل سے کام لے لیتا ہے اور قسمت کا سہارا لیکر مطمئن ہو جاتا ہے مسلمانوں میں تعلیمی شوق پیدا کرنے کے لئے نہ سرسید حالی اور ڈپٹی نذیر احمد جیسی شخصیتیں اٹھیں نہ ہی رہنمایان وقت نے کوئی خاص کوشش کی۔ نہ سماجی کوئی ایسی تحریک چلی جو خاص طور سے مسلمانوں کو تعلیم کی اہمیت کا اندازہ کرا سکتی اور دشواریوں کو دور کرتی۔ آپ نے اس کا حل معلوم نہیں کیا۔ اس کا حل یہ ہے کہ تعلیمی ذوق و شوق پیدا کرانے کے لئے باقاعدہ کھلے تحریک چلائی جائے جس طرح سیاسی اور سماجی کام ہوتے ہیں بالکل اسی طرح یہ کام بھی ہونا چاہیئے۔

ناظرین کی رائے

جناب مدیر اعلیٰ صاحب

پندرھویں صدی میں بزم طلبا شروع کر کے ہماری دلی خواہش پوری کر دی۔ اس سے طالب علموں میں اچھے مضامین لکھنے کا شوق بڑھے گا۔ اسے جاری رکھیے

رحمت اللہ خان چودھری میرٹھ جماعت دوم

★

جناب ایڈیٹر صاحب

سوال و جواب سے وہ تعلیمی معلومات ہو جاتی ہیں جو کسی سے معلوم کرنے پر بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ اسے جاری رکھنے کی کوشش کیجئے۔

اسلام الدین خاں سہارنپور

★

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

پندرھویں صدی پہلی بار دیکھا بے حد خوشی ہوئی تعلیمی رسالہ نکالا بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا۔ اس کے مقاصد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مستقبل قریب میں ہی مسلمانوں میں تعلیمی جذبہ پیدا کر دے گا۔ اس کے مضامین بہت ہی مفید اور نفسیاتی ہیں

نعیم الحق آزاد بمبئی ۳۔

محترم مدیر صاحب

دکھ بھری داستان کی دوسری قسط پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک استاد کو نہیں کرنا چاہیے۔ ٹیچر نام بڑی عظمت کا حامل ہے ایسا کرنے والا شخص تو ٹیچر کی برادری پر بدنما دھبہ ہے۔ دکھ بھری داستان سے کافی سبق ملا اسکی اگلی قسط کب آ رہی ہے۔ ظریف احمد خاں لکھنو

دبستان دہلی

(محمد مسلم فراشخانہ دہلی)

دہلی میں جب اردو شاعری کا رواج عام ہوا تو یہاں کی سیاسی فضا قابل اطمینان نہیں تھی اورنگ زیب کے انتقال کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کی چولیں ڈھیلی ہو چکی تھیں، شاہ عالم جیسے بادشاہ چند خوشامدیوں کے اشاروں پر کٹ پتلیوں کی طرح کچھ عرصہ حکومت کرکے اور شطرنج کے مہروں کی طرح بساط سیاست سے ہٹتے جاتے تھے، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، رشوت اور بدچلنی عام تھی جگہ جگہ ریاستیں خود مختار بن چکی تھیں اور نادر شاہ نے تو اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی سپاہیوں نے خوب دل بھر کے دلی کو لوٹا۔ لوگ پریشانی میں اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے تھے۔ بادشاہ نے رعایا کی الجھنوں سے منہ موڑ لیا تھا اور اپنا غم غلط کرنے کا طریقہ سمجھ کر شاعری کرنے لگا۔

دربار سے ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء اور گوئیے وابستہ تھے۔ محمد شاہ کی ٹھمریاں اور گیت بہت مقبول ہوئے حقیقت یہ ہے کہ اسی زمانے میں اردو غزل گوئی نے دہلی میں اپنے قدم جمائے۔

جب سیاسی اور سماجی حالت ایسی ہو تو دنیا سے مایوسی اور بیزاری دلوں پر طاری ہو جاتی ہے اور لوگ ایسے فلسفۂ زندگی کے قائل ہو جاتے ہیں جو اس دنیوی زندگی کو بے اصل اور موت کے بعد کی زندگی کو دائمی قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں نے ذہنی طور پر اس فانی دنیا سے فرار کا راستہ اختیار کر لیا اور یہ راستہ تصوف کا تھا۔ دہلی میں جا بجا فقیروں کی خانقاہیں تھیں جہاں کی صوفیانہ تعلیم لوگوں کو اپنے حالات اور مزاج کے مطابق معلوم ہوئی زندگی کو چند روزہ، پانی کا بلبلہ اور موت کے بعد کی زندگی کو دلکش قرار دینا اس تعلیم کا نتیجہ تھا جو صوفیوں کے ذریعہ عام ہو رہی تھی اس زمانے کی غزلوں میں ایسے مضامین عام ہیں یاس و حرماں غم و آلام کے اشعار دہلی کی غزلوں میں زیادہ ملتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کے امیر و غریب سب ہی بدحالی میں مبتلا تھے۔ زندگی کو بے ثبات سمجھنا ایک فطری بات تھی۔ جعفر زٹلی درد میر شاہ عالم غالب اور سب ہی نے اس کا مرثیہ پڑھا ہے اور اپنے ماحول کی مرثیہ خوانی کی ہے۔ ان حالات کا انہیں شدت سے احساس تھا اور اپنی داخلی شاعری شعراء نے اس طرح پیش کی ہے کہ پڑھنے والوں کا دل بھی چھنے والوں کی ٹیس محسوس کرنے لگتا ہے اسی لئے اس زمانے کے اشعار میں سادگی، نرمی اور لوچ کے علاوہ۔ مقامی بولیوں کے میٹھے بول اور محاورے اس طرح چسپاں کئے گئے کہ دل پر گہرا اثر ڈال سکیں، دہلی کا عام رنگ سادگی، اور بے تکلفی ہے استعاروں اور تشبیہات کے ذریعہ دہلی کے شعراء نے اپنے کلام میں نکھار اور دلکشی پیدا کر دی ہے۔

دہلی کی غزلوں میں شعراء نے اپنے کلام میں نکھار اور دلکشی پیدا کر دی ہے۔ دہلی کی غزلوں میں ٹیس کسک درد اور غم و الام اکثر و بیشتر ملتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ بیان کی شیرینی اور گھلاوٹ ہے اپنی صفات اور خصوصیات کی شاعری کو اردو ادب میں دبستان دہلی کہا گیا ہے۔

بزمِ طلبا

داخلہ

تسلیم احمد رہبر۔ جماعت دہم

امتحان ختم ہو گئے سارے
شور یہ اب تو مچنے والا ہے
اپنا بچہ کہاں کروں داخل
پانچ سے زیادہ ہونے والا ہے
گالیاں کھائے گا مدرسِ اعلیٰ
جوں ہی انکار کرنے والا ہے
بے خبر ہو کے سوئیں گے سارے
بچہ اسکول جانے والا ہے
بچہ داخل ہوا سکون ملا
گھر نہ اب شور کرنے والا ہے
اس طرح علم کوئی پا نہ سکا
آج رہبر یہ کہنے والا ہے

بچہ

(ترجمہ) سحر انصاری

میں جب پہلے پہل میلے گیا تھا
مرے کیسے میں کچھ پیسے پڑے تھے
مگر میں بیشتر اشیا کی جانب
بڑی حسرت سے تکتا جا رہا تھا
کہ ان پیسوں میں ہر جنسِ گراں کی
خریداری مرے بس میں نہیں تھی
رتیں بدلیں زمیں نے کروٹیں لیں
وہ لمحے ہو چکے رخصت کبھی کے
یہ پیسے ہیں، یہ میلہ ہے، یہ میں ہوں
اگر چاہوں تو میں اب حسبِ منشا
ہر اک جنسِ گراں کو مول لے لوں
مگر میں دل میں یہ بھی سوچتا ہوں
جو بچہ مجھ میں تھا اب وہ کہاں ہے

پیار کے قابل

محمد اکرم

اچھے بچے پیار کے قابل ہیں سب
وہ بلند افکار کے حامل ہیں سب
روز پڑھنا، یاد کرنا انکی عادت ہے سدا
ملتی ہے ماں باپ کی ہر حال میں الفت سدا
کتنے خوش قسمت ہیں بچے دیکھ لو
ہر قدم پہ ہیں وہ سچے دیکھ لو
امتحان میں فرسٹ آتے ہیں وہی
سیکڑوں انعام پاتے ہیں وہی

ہنسئے اور ہنسائیے

انا ـــــــ عجام ہاشمی

(۱)

ایک بہرے آدمی نے دوسرے بہرے سے سوال کیا۔

کیا آپ کلکتہ جا رہے ہیں

دوسرے نے جواب دیا۔ جی نہیں میں کلکتہ جا رہا ہوں

پہلے نے کہا اچھا میں سمجھا آپ کلکتہ جا رہے ہیں۔

(۲)

ایک صاحب ہوٹل میں جاکر بیٹھے اور بیرے کو بلایا۔

بیرا - لیس سر

وہ صاحب ہاف پلیٹ تندوری مرغ جلدی لے آؤ۔

کافی دیر بعد جب مرغ نہیں آیا تو وہ غصے سے بولے۔ بیرا۔

بیرا۔ یس سر

وہ صاحب۔ ابھی تک مرغ کیوں نہیں آیا

مرغ آنے کا انتظار ہے۔

بیرا نہیں سر دوسرے گاہک کا۔ باقی مرغ کون کھائے گا۔

(۳)

ایک صاحب افیم کے نشے میں فٹ پر چلے جا رہے تھے لیکن ان کا ایک پیر فٹ پاتھ پر پڑ رہا تھا اور دوسرا سڑک پر۔

کافی دیر تک ایک صاحب یہ دیکھتے رہے جب سے نہیں رہا گیا تو انہوں نے کہا۔ کیوں بھائی تم ایک پیر فٹ پاتھ پر دوسرا سڑک پر رکھ کر کیوں چل رہے ہو؟

افیمچی نے جواب دیا۔ اوہو تبھی تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا ایک پیر چھوٹا کیسے ہو گیا۔

(۴)

ایک آدمی کی بیوی بہت موٹی تھی۔

ایک بار اتفاق سے گاؤں میں ریچھ آگیا جس کی وجہ سے لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ کسان کی بیوی بھی اس سے بولی چلو ہم بھی بھاگ چلتے ہیں کہیں وہ ہم کو بھی اٹھا نہ لے جائے۔

کسان بولا ریچھ آدمیوں کو اٹھا لے جاتا ہے کرین کو نہیں۔

(۵)

ایک شخص کو اخبار پڑھنے کی عادت جب تک صبح کو اخبار نہیں پڑھ لیتے تھے تب تک انہیں چین نہیں آتا تھا۔

ایک دن اخبار نہیں آیا وہ صاحب دروازے سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور اخبار والے کا انتظار کرنے لگے جب کافی دیر ہو گئی۔ وہ اپنے بیٹے سے بولے پپو بیٹا سناؤ کوئی نئی تازہ خبر۔

پپو بولا۔ پاپا تازہ خبر یہ ہے کہ جس کواڑ سے آپ لگ کر کھڑے ہیں اس کا رنگ سوکھا نہیں ہے۔ دوسری خبر یہ کہ اخبار والا نہیں آیا تیسری خبر یہ ہے کہ آج آپ بے چین رہیں گے۔

(۶)

دو شرابی رات کو شراب کے نشے میں چلے جا رہے تھے۔

ان میں سے ایک نالی میں گر پڑے۔ بڑبڑاتے ہوئے بولا
"تجھے نالی دکھائی نہیں دی۔"
پہلا شرابی کہنے لگا کیا کروں میں تو سنبھل کر چل رہا تھا مگر یہ کارپوریشن والے بڑے بدمعاش ہوتے ہیں۔ روزانہ رات کو نالیاں بیچ سڑک میں کر دیتے ہیں۔

(۷)

ایک صاحب ہوٹل میں گئے اور بیرے سے بولے ایک پلیٹ مچھلی اور ایک ہمدرد کا پرل
بیرا مچھلی کی پلیٹ رکھتے ہوئے بولا یہ مچھلی کل کی بنی ہوئی ہے۔

تجارت کا راز

بقیہ صفحہ

اس اصول کو انہوں نے اپنی دکان میں استعمال کرنا شروع کیا۔ وہ اپنی دکان کے بیرونی حصہ میں بیٹھ جاتے اور ہر گزرنے والے کے چہرے کو پڑھتے یہاں تک کہ ان کی فراست اتنی پکی ہو گئی کہ وہ کسی آدمی کو دیکھ کر فوراً پہچان لیتے کہ یہ تالے کا گاہک ہے یا کسی اور مقصد سے سڑک پر چلا جا رہا ہے جس کے متعلق وہ اندازہ کرتے کہ وہ تالے کی قسم کی چیز خریدنا چاہتا ہے اس کو بول کر اپنی آواز متوجہ کر کے اس کو اپنی دکان کے اندر بلاتے اس طرح ان کی دکانداری اچانک کافی بڑھ گئی یہاں تک کہ وہ بازار میں سب سے زیادہ فروخت کرنے والے دکاندار بن گئے۔

ترقی کا راز ہمیشہ سادہ اصولوں میں ہوتا ہے۔ مگر انسان ترقی کو ایسی چیز سمجھ لیتا ہے جو کسی بہت بڑی چیز کے ذریعے حاصل ہوتی ہو۔ آپ چند [illegible] سے نہ اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے، اپنے محدود وسائل کو استعمال کرنے سے اور ایک کام کو مسلسل پکڑے رہنے سے کامیابی کے اعلیٰ مقامات تک پہنچ سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے نزدیک کوئی چیز جو بہت بڑی ہو اور ایک عام آدمی اس کو حاصل کر سکتا ہو۔

اسلام نے یورپ کو کیا دیا

پیچھے پیچھے پہنچ گیا اور پیرس یونیورسٹی ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے بڑا مرکز بن گئی ہے۔

غرضیکہ اہل یورپ نے ابن رشد سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ڈاکٹر گستاؤ لی بان لکھتا ہے کہ: "وہ عرب فلسفی جس کی تصنیفات کا اثر یورپ پر سب سے زیادہ پڑا ابن رشد ہے۔ تیرھویں صدی عیسوی کی ابتداء سے یورپ کی یونیورسٹیوں میں ابن رشد ہی کا فلسفہ رائج تھا چنانچہ ۱۴۷۳ء میں جب لوئی یازدہم نے نصاب تعلیم مقرر کیا تو حکم دیا کہ فلسفہ میں ابن رشد اور ارسطو کی تصانیف پڑھائی جائیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ صدیوں تک اہل یورپ اسلامی علوم و فنون پر ہی انحصار کرتے رہے ہیں اور اگر بغور دیکھا جائے تو اہل یورپ کی ترقی کا سنگ بنیاد ہی مسلمانان عرب کی علمی کاوشوں پر رکھا ہے۔ مغرب پر اسلامی تہذیب کے اثرات کسی خاص شعبے اور گوشے ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں نے مغرب کی زندگی اور تہذیب کے سب ہی شعبوں کو متاثر کیا ہے اور اب وہ اثرات مغربی تہذیب اور زندگی میں اس طرح رس بس گئے ہیں کہ انہیں شناخت اور جدا کرنا آسان نہیں رہا۔

بچہ

ملک و ملت کی قیمتی امانت ہے

اس کی بہتر سے بہتر تربیت کیجئے

بڑے ہو کر ملک و قوم کی ذمہ داری اسی پر ہے

...س صنعت و تجارت

جناب سراج الدین صاحب	۔ سش۔ ایکسپورٹس
جناب عیسٰی شفیع صاحب	۔ پیتل والے
جناب مقصود عالم صاحب	۔ عالم اینڈ کمپنی
چودھری محمد اقبال صاحب	۔ گرین روڈ لائنز
انیس احمد نظامی	۔ مارکونی الیکٹرونکس
عبدالرحمان صاحب	۔ R-K پروڈکٹس انڈیا
محمد کامل صاحب	۔ بمبئی آرٹ پریس
محمد ذکی صاحب	۔ ایشیا ٹریڈرز
عبدالقادر صاحب	۔ اے۔ ایم۔ ٹوائے انڈسٹریز
محمد شاہد صاحب	۔ شاہد ہوٹل بلماران
شمس الرب صدیقی	۔ مینیجر ہمدرد دواخانہ۔ چیرمین حج کمیٹی
سید محمد ہاشم	۔ انڈسٹریل بیرنگ اسٹور
رضوان علی جیلانی	فائن انجینیرنگ ورکس
سردار سروپ سنگھ	۔ کرن ڈیری
اسرار احمد صاحب	۔ پریس سکریٹری دلی ایڈمنسٹریشن
ایم افضل صاحب	۔ سوئیوالان
عاشقین صاحب قریشی	۔ قریشی ہوٹل چتلی قبر
ڈاکٹر سید نسیم بخاری	۔ قصاب پورہ
ایم ... فاروقی	آرکیٹیکٹ ۲۵۵ رکاب گنج ڈیلائٹ سینما

آج بھی شہر میں بعض بعض اسکول کچھ اسکولوں میں بچوں کو
محض اسی بہانے وہ اپنے فول پیسے کا ایک کافی حصہ
ایسے اسکولوں کے لیے بطور چندہ دے آتا ہے۔ جہاں ان کا بچہ
مذہب دور انجیل روایات اور مذہبی اقدار سے ... ہوتا ہے
مذہب اسلام کے علاوہ تمام مذاہب کا اثر بچہ قبول کر لیتے
اور والدین جو اس حقیقت سے واقف ہیں اسے برداشت کرتے ہیں بلکہ
بعض اس قسم کا ماحول اپنانے کے لئے موقع فراہم کرتے ہیں
بڑھاپا زندگی کا ایک ایسا حصہ ہے جہاں انسان
کو اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی فکر ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچوں
کے بد اعمال پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔

اردو میڈیم اسکولوں میں وہی تعلیم دیتے ہیں
اور انگلش کے علاوہ تمام مضامین وہاں سے بہتر طریقے پر
پڑھائے جاتے ہیں۔ لیکن فرق ہے صرف والدین
کی توجہ کا ہے۔ جتنی توجہ والدین ان اسکولوں پر صرف
کرتے ہیں اور جتنا روپیہ بچے کی کوچنگ پر خرچ کرتے ہیں
اگر ایسی ہی توجہ اور اتنا ہی روپیہ اردو میڈیم میں خرچ کر
دیں تو مسلم بچوں کی ذہانت کا معیار بڑھ جائیگا۔

ان اسکولوں کے ساتھ جو رویہ مسلم قوم کا
ہے۔ اس سے انہیں بھی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ضرورت
ہے کہ اہل اسلام ذکر اپنے ہر ادارہ کو سنوارنا ہوگا
ان کی بھرپور امداد کرنا ہوگی اور تنقید کرنا ... لازم
رکھنا ہوگا۔ ہمارے اسکول تلاش کرنے پڑیں گے
ان ... اسکولوں سے چندہ دیتے ہوئے کونسی ہوگی
ایک طرف انگریزی میڈیم کا رونا۔ دوسری
طرف اداروں کی شکایت بجائے ... معلوم ہوتی ہے
یہ ادارے ... قوم کی دولت ہیں انہیں سنوارئیے

پندرھویں صدی کے مقاصد

پندرھویں صدی سہ ماہی کے بجائے اب ماہنامہ کی حیثیت سے آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ جس کا بنیادی مقصد ملک وقوم کی تعمیر اور نونہالان وطن کی تعلیم و تربیت کے اہم مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مفید اور جدید مضامین شائع کرنا جو معلومات آج کے انسان کو اس کی اپنی مصروفیت کے سبب اسکولوں کالجوں سے حاصل نہیں ہو سکتیں ۔

تعلیمی سائنسی تکنیکی اور تجارتی اداروں سے رابطہ قائم کر کے باہمی دلچسپی کی خبریں شائع کرنا ۔ تعلیمی تربیتی ۔ طریقہ درس و تدریس سائنسی اور ایسے مضامین شائع کرنا جن کی مدد سے طلباء کو جدید معلومات فراہم ہو سکیں اور وہ یو پی ایس سی کے تمام مقابلے کے امتحانوں میں شریک ہو سکیں ۔

تمام تعلیمی اداروں خصوصاً اردو میڈیم کے اسکولوں اور کالجوں کی سرگرمیاں اور ایکٹوٹیز فوٹوز کے ساتھ منظرِ عام پر لانا نیز ان کے مسائل کو پیش کرنا اور ان کا حل تلاش کرنا اس کا خصوصی مقصد ہوگا ۔

اہل قلم سے گذارش

اہل قلم سے گذارش ہے کہ وہ غیر مطبوعہ مضامین اور کلام وغیرہ اشاعت کے لئے مدیر اعلیٰ پندرھویں صدی کے نام ۱۰۵۹ راجان اسٹریٹ فراشخانہ دہلی کے پتہ پر بھیجنے کی زحمت فرمائیں ۔ غیر مطبوعہ معیاری مضامین و کلام پر معاوضہ صرف سب سے اچھے مضمون یا کلام پر ہی پیش کیا جائے گا ۔

تعلیمی ادارے اپنے اداروں کی ایکٹوٹیز (سرگرمیاں) ہمیں بھیجیں ۔ ایکٹوٹیز کی رپورٹ کے ساتھ فوٹوز بھی بھیجیں تاکہ انھیں چھاپا جا سکے ۔ ہونہار طلبا کے نام اور فوٹوز بھی بھیجیں ، تعلیمی اداروں کے خاص خاص پروگراموں میں ہمارے ادارے کا نمائندہ اپنے کیمرے کے ساتھ شریک ہو کر اپنی رپورٹ شائع کرے گا ۔

Amplifiers, 2 in 1 and 3 in 1.
From the world of melodies

ایکسپریس

ایکسپریس نیوز، ایکسپریس نیوز

[illegible] معلومات، [illegible]

شامل ہیں